عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ

طلوعِ اسلام

ایک ملی اسلامی مجلہ

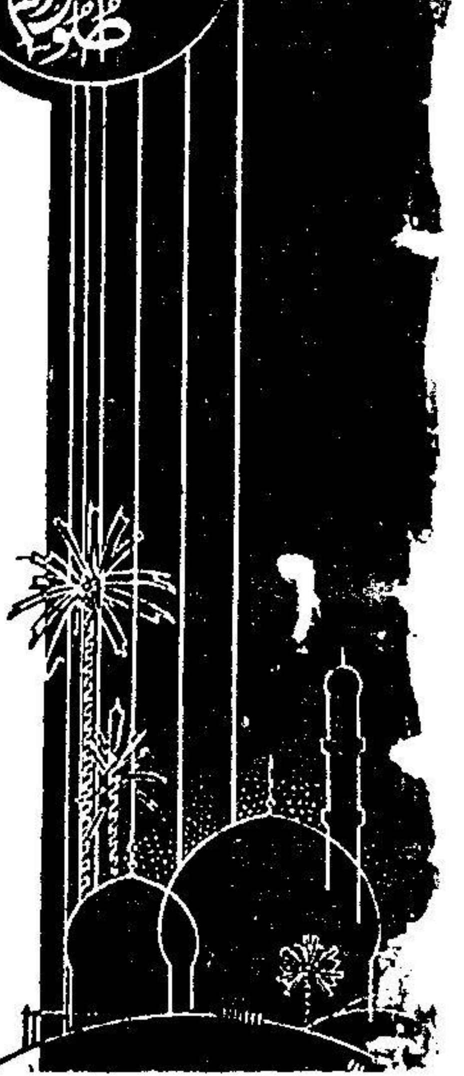

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزِ ملت	←	لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ	→	مرکزِ ملت

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝

مرکزی فیصلوں کی اطاعت ہی ایمان ہے

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے تھام لو اور آپس سے علیحدہ مت ہو

اِسْتَجِیْبُوْا لِلہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ

مانو اللہ و رسول کی بات جب وہ تمہیں اس بات کیطرف بلائے جو تمہیں زندگی عطا کرتی ہو

یعنی

مرکز، مرکز کی اطاعت اور جماعت پیدا کرو

اس لیے کہ

جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا

عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ

(فرمان رسولؐ)

جماعت کے بغیر اسلام کچھ نہیں!

لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَۃِ

(قول حضرت عمرؓ)

(اقبال)

چیست ملت ایکہ گوئی لا الٰہ
با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

بگذر از بے مرکزی پائندہ شو

طلوعِ اسلام کا

مسلک۔ جیسا کہ پہلے پرچہ میں بالوضاحت بتایا جا چکا ہے۔ طلوع اسلام کا مقصد حضرت علامہ اقبالؒ کے پیام حیات بخش کی اشاعت ہوگا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ سے متعلق ہر مسئلہ کا حل قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا جائے، مفکرین عالم کے سامنے اِس حقیقت کبریٰ کو بے نقاب کیا جائے کہ عالمگیر امن و فلاح کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ دُنیا کا نظام زندگی وہ ہو جو خدا کے اِس آخری ضابطۂ حیات میں مرتب کر کے دیا گیا ہے اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دلوں میں یہ یقین راسخ کیا جائے کہ دُنیا علم و بصیرت کی جن بلندیوں تک چاہے پہنچ جائے۔ قرآن کریم اس سے بھی کہیں آگے نظر آئے گا۔

نظام۔ طلوع اسلام کے نظام کے متعلق بھی اعلان کیا جا چکا ہے کہ یہ پرچہ کسی فرد کی ملکیت نہیں بلکہ تمام ملتِ اسلامیہ کا مشترکہ پرچہ ہے اس کا نظم و نسق ایک ایسی جماعت سے متعلق ہے جس کے اراکین نے محض اللہ کے لیے اس فریضہ کو اپنے ذمہ لیا ہے انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس پرچہ کے خسارہ کو پورا کرتے جائینگے لیکن اس کے منافع میں سے کوئی شخص ایک پائی بھی اپنے لیے جائز نہیں سمجھے گا گذشتہ سال بعض مخلص احباب نے یہ تحریک پیش کی تھی کہ طلوع اسلام کو پائدار بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے ایسے ایثار پیشہ معاونین پیدا کیے جائیں جو ۲۵ روپے یکمشت ادا کر کے اس کی سرپرستی فرماتے رہیں اور رسالہ کو مستقبل کے خطرات سے نجات دلا دیں۔ دائرہ طلوع اسلام نے اس مقدس تحریک کا خیر مقدم کرتے ہوئے یہ تجویز کیا ہے کہ اس طرح جب تین ہزار روپیہ جمع ہو جائے تو اس کو محفوظ سرمایہ قرار دے کر اطمینان کے ساتھ رسالہ کی ترقی کے وسائل اختیار کیے جائیں تاکہ وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں اب تک تیرہ سو روپے کے وعدے ہو چکے ہیں جن میں سے چھ سو روپیہ وصول بھی ہو گیا ہے ان شاء اللہ دائرہ طلوع اسلام کی کوششیں برابر جاری رہیں گی یہاں تک کہ تین ہزار محفوظ سرمایہ جمع ہو جائے۔ لہذا:۔

جو حضرات

اس جماعت کی رکنیت پسند فرمائیں وہ پچیس روپیہ یکمشت یا بالاقساط ادا فرما کر ان خدمتگزاروں کے حلقہ

غمِ اقبالؒ

(اسدؔ ملتانی)

جناب اسدؔ کا مرثیۂ اقبالؒ آپ اشاعتِ سابق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اب "تسکینِ غم" آپ کے پیشِ نظر ہے مرثیہ میں تھا تو۔ اور اب تلقینِ صبر ہے تو۔ دونوں جگہ آپ اس حقیقت کو نمایاں دیکھیں گے کہ:-

بیقراری ہے کس قرار کے ساتھ جب صبر دل پہ اختیار کے ساتھ
سیلاب غم ہو یا ہجومِ مسرت مومن کی شان یہ ہے کہ اُسکی نگاہ کا ہر زاویہ اور اسکے
قلب کی ہر حرکت مرضاتِ الٰہی کے تابع ہو۔ (طلوع اسلام)

دیدۂ اشکبار کو اور نہ اشکبار کر
ملتِ غم رسیدہ اب صبر بھی اختیار کر

پھول کی آنکھ بھی ہے تر چشمِ ستارہ بھی ہے نم
شاہدِ کائنات کو اور نہ سوگوار کر

کوندکے موجِ اشک میں ڈوب نہ جائے برقِ غم
شعلۂ مستقل بنا دل میں اُسے اُتار کر

ماتمِ عارضی کا رُخ جانبِ عشق پھیر دے
سوزِ غمِ فراق سے درد کو پائدار کر

جو کہ رموزِ سروری تجھکو بتا کے چل دیا
ویسے فقیر کے لیے صدیوں اب انتظار کر

پردۂ مرگ نے اُسے تجھ سے چھپا لیا تو کیا
اپنی حیاتِ عشق میں تُو اُسے آشکار کر

ہے یہی ماحصل اسدؔ اُسکے پیامِ خاص کا
عشق سے زندہ کر خودی فقر سے استوار کر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ

طلوع اسلام دہلی

(دورِ جدید)

مدیر مسئول حکیم ذکی احمد خاں
معاون۔ محمد عثمان

بدل اشتراک
پانچ روپیہ سالانہ
فی پرچہ ۸/

جلد (۱) شمارہ (۳) بابت ماہ جولائی ۱۹۳۸ء

فہرست مضامین

۱	غم اقبال	اسد صاحب ملتانی	۳
۲	لمعات	ادارہ	۵ - ۱۱
۳	جماعتی زندگی	چودہری غلام احمد صاحب پرویز بی اے	۱۲ - ۲۱
۴	اسلامی تنظیم اور کانگرس	ادارہ	۲۲ - ۳۲
۵	قومیت اور بین الاقوامیت	محمد اکرم خاں صاحب مدیر الشمس ملتان	۳۳ - ۳۹
۶	ترجمان حقیقت	سید الطاف حسین صاحب بخاری ایم اے	۴۰ - ۴۸
۷	گفتگوئے مصاحت	رازی	۴۹ - ۶۳
۸	شاہراہ مقصود	مولانا ابوالکلام آزاد	۶۴ - ۶۶
۹	سرور کائنات	خاں صاحب حکیم احمد شجاع صاحب	۶۷ - ۶۸
۱۰	تکلف برطرف	رازی	۶۹ - ۷۲
۱۱	تقریظات	ادارہ	۷۳
۱۲	رفتار زمانہ	"	۷۴ - ۸۰
۱۳	معارف القرآن	چودہری غلام احمد صاحب پرویز بی اے (عدد مسلسل)	۱۷ - ۳۲

لمعات

مُسلمان پہلے ہی قحط الرجال کی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اِس پر پتہ نہیں مشیتِ خداوندی کو کیا منظور ہے کہ کام کے آدمی آہستہ آہستہ ہم سے چھنتے چلے جا رہے ہیں اور ایسی کرسیاں خالی ہو رہی ہیں جنکا پُر ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے۔ ہنوز حکیم اِسلام حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی یاد میں آنسو نہ تھمے تھے کہ ہندوستان کے مشہور مؤرخ اِسلام حضرت مولانا اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی کی رحلت کی خبر ملی۔ مرحوم اِسلامی تاریخ کے بہت بڑے ماہر تھے مگر اِس سے زیادہ اُن کی وہ اسلامی محبت تھی جو وقائع نگاری پر ہمیشہ غالب رہی۔ اُن کی تاریخ نویسی درحقیقت اِسلامی عظمت و شوکت کے اظہار کا ایک ذریعہ تھا وہ اپنی مورخانہ مساعی کا ماحصل صرف یہ سمجھتے تھے کہ اُنکے قلم سے اِسلام کی کتنی خدمت ہوئی اُن کی تحریروں سے کتنے گمراہوں نے ہدایت پائی اور اُنکے افکار و خیالات کتاب و سنت سے کہانتک تطابق رکھتے ہیں +

مرحوم نے اپنی عمر ایک رہنما ایک مؤرخ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مزدور اور نسبتاً گمنام مجاھد کی حیثیت سے بسر کی اور اسلامی محبت کے ساتھ آخر عمر تک اِسلام کی خدمت میں سرگرم رہے خدائے تعالےٰ اِس مردِ مومن کی رُوح کو اپنی رحمت کے آبشاروں سے نوازے اور ہم کو اُنکا نعم البدل عطا فرما کر صبر و سکون کی توفیق بخشے۔ آمین

کانگریس کے روشن خیال ہندو لیڈر اپنی تقریروں میں جس شدت سے سنسکرت کے ثقیل اور غیر مانوس الفاظ استعمال کرتے ہیں اور وہ بھی کسی خاص اجلاس میں نہیں بلکہ مشترک پلیٹ فارم پر وہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے۔ کانگریس کے فارم۔ کانگریس کی خط وکتابت۔ کانگریس کی

رسیدات۔ اور دستاویزیں اور کانگریس کے بورڈ وغیرہ سب ہندی رسم الخط اور ہندی زبان میں لکھے جاتے ہیں جن سے ان "فراخ حوصلہ" ہندؤں کی نیتوں کا حال آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہا یہ جاتا ہے کہ "ہندوستانی زبان" کو ہندوستان کی مشترک، قومی اور بین الصوبجاتی زبان قرار دیا جائے یعنی وہ زبان استعمال کیجائے جو شمالی ہندوستان کے شہروں میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے اور جس کے دوش پر سنسکرت، عربی، فارسی کے ثقیل الفاظ کا بار نہیں ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ "ہندوستانی" سے ہر جگہ ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور ہندوستانی سے وہ ہندی مراد لیجا رہی ہے جس کو خود ہندو بھی مشکل ہی سے سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کانگریسی وزرا سرکاری اعلانوں میں بلا اختیار ہندوستانی کے بجائے ہندی زبان بولتے اور لکھتے ہیں اور مولانا ابوالکلام آزاد کو ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اس "غلط فہمی" کو دور کریں اور اعلان کرتے رہیں کہ ذمہ دار حکام کو ہندی کے بجائے ہندوستانی لفظ استعمال کرنا چاہیئے تاکہ اردو کے حامی مسلمان کہیں بھڑک نہ اٹھیں بلکہ اس آتش خاموش کو یوں اندر ہی اندر سلگایا جائے کہ ان کو اصل حقیقت کا پتہ اسوقت چلے جب انکے کلچر کی متاعِ گراں بھی راکھ کا ڈھیر ہو کے رہ جائے اور اس کی جگہ پراچین تہذیب پوری قوت کے ساتھ متمکن ہو چکی ہو۔

کانگریس کے گزشتہ اجلاس میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی صدارت میں ایک تعلیمی بورڈ بنایا گیا تھا جسنے بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد وارددھا اسکیم کے تحت زبان کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ سادہ اردو کو جو شمالی ہندوستان کی زبان ہے۔ قومی زبان قرار دیا جائے اور اسکے لیئے دیوناگری اور اردو دونوں رسم الخط اختیار کیئے جائیں + یہ ان لوگوں کی متفقہ تجویزوں کا خلاصہ ہے جو تعلیم کے بارے میں بہت گہرا اور وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ ہماری کیا بساط ہے کہ اسکے خلاف اپنی زبان کو حرکت دیں اور ارباب تعلیم کو اپنے مشوروں کا محتاج سمجھیں مگر ہماری ناقص رائے میں ہندوستانی کے پردہ میں ہندی کو آگے

بڑھنے اور اردو کی جگہ حاصل کرنے کا بہت اچھا موقعہ فراہم کیا گیا ہے اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں میں نہ صرف ہندی رسم الخط جاری ہو جائیگا۔ بلکہ ہندی زبان کی جڑیں بھی مضبوط ہو جائینگی اور خود مسلمانوں کے سہارے ہندی کو اردو کے مساوی قرار دیکر اردو کی اہمیت تک کو ختم کر دیا جائے گا۔ یہ دیکھکر کس قدر صدمہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں سے کرایا جا رہا ہے۔ وارد ھا اسکیم جناب ڈاکٹر صاحب کی جگر کاوی کا نتیجہ ہے اور اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جو ابتدائی ریڈریں تیار کی گئی ہیں ان پر تصدیق حضرت مولانا آزاد نے ثبت فرمائی ہے اور اردو کا جنازہ یوں مسلمانوں کے ہی کندھوں پر مرگھٹ میں پہنچایا جا رہا ہے۔ صوبہ بہار کے وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود نے مشورہ دیا ہے کہ مسلمان ہندی سیکھیں اور ہندو اردو کی تعلیم حاصل کریں تاکہ اس طرح مختلف قوموں میں اتحاد کا رشتہ مضبوط ہو جائے (ہندوستان ٹائمز ۳۰ مئی ۱۹۵۰ء) مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی زبان کی حمایت کے سہارے ہندی زبان اور ہندی رسم الخط کا معیار اردو کے برابر ہو جائے اور جب ایسا وقت آئے گا تو اردو کو شکست دیدینا ہندی کے لئے کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ مسلمان کانگریسیوں کی نیت کیا ہے۔ ہم تو صرف نتیجہ پر نظر رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ آئندہ چل کر نتیجہ یہی اور صرف یہی نکل سکتا ہے۔ زہر زہر ہی ہے خواہ وہ کسی نظر فریب دوست کے ہاتھوں ملے یا کھلے دشمن کے۔ باقی رہا نیت کا معاملہ۔ سو حسن نیت کا الاؤنس بھی اسی وقت دیا جا سکتا ہے جب وہ لاعلمی پر مبنی ہو ایسے کھلے کھلے نتائج کی موجودگی میں بہبودی ملت کا ادعا اگر عدو نوازی نہیں تو کم از کم دانستہ خود فریبی ضرور ہے۔

زبان اور رسم الخط کے بعد مسلمانوں کیلئے سب سے اہم چیز مذہبی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ قومی حکومتوں سے ہماری یہ توقع بجا تھی کہ وہ تعلیم کے سلسلہ میں ان نقصانات کی ضرور تلافی کریں گی جنکو انگریزی تعلیم انگریزی نصاب اور انگریزی نظام کے تحت مسلمان ہمیشہ برداشت کرتے رہے ہیں مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان کے تمام صوبوں کے وزراء جو ابتدائی تعلیم کا خاکہ تیار کر رہے ہیں اس سے مذہبی عنصر کو بالکل خارج کر دیا گیا ہے۔ گویا انگریز نے بھی مسلمانوں کو مذہب سے بیگانہ رکھنا چاہا اور اب قومی حکومتوں نے بھی اس

عنصر کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے۔

واردھا اسکیم کے تحت تعلیم و تربیت کے جو اعلیٰ اصول مقرر کئے گئے ہیں وہ مسلمان بچوں کیلئے اسلامی تعلیم سے قطعاً معرا ہیں۔ بالنسبہ غیر مسلم حضرات اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہندو اگر کچھ نہ جانے تب بھی وہ ہندو رہ سکتا ہے اس کا جاننا بس یہی کافی ہے کہ وہ ہندو ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہندو مذہب کے اصول و مبادی کی معرفت بھی حاصل کرے (اور یہ اسلئے کہ ہندو مذہب در حقیقت کوئی مذہب ہی نہیں ہے) مگر ان کو شاید اس کا علم نہیں کہ اگر مسلمان اپنے مذہب سے لاعلم رہے تو وہ مسلمان ہی نہیں رہتا، مسلمان وہی ہے جو اپنے مذہب کا بھی تھوڑا بہت علم رکھتا ہے۔ اور جو مسلمان اس اقل قلیل عنصر سے بھی محروم ہے وہ مسلمان کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے

مگر تعلیمی بورڈ کے صدر ہمارے محترم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب تو اس حقیقت سے ناواقف نہیں رہ سکتے تھے پھر خبر نہیں انہوں نے اپنے تعلیمی پروگرام میں اس حقیقت کو کیوں نظر انداز کر دیا اور یہ جانتے ہوئے کہ جبری تعلیم کے بعد مسلمان بچوں کو کسی دوسری جگہ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ بھی نہیں ہے گا اپنے پروگرام میں مذہبی تعلیم کی اہمیت سے کیوں چشم پوشی فرمائی؟ از باغباں خطاست کہ صیاد آں نہ کرد۔

انگریزوں سے اپنے دور حکومت میں یقیناً یہ چوک ہوئی تھی کہ انہوں نے جبریہ تعلیم کا نفاذ نہیں کیا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر مسلمان بچے مکتبوں اور مسجدوں میں تھوڑی بہت اسلامی تعلیم حاصل کر لیا کرتے تھے مگر موجودہ وزارتوں نے نہایت ہوشیاری سے جبریہ تعلیم کا نفاذ کر کے مسلمانوں پر نجی تعلیم کا دروازہ بھی بند کر دیا ہے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ حکومتوں کی باگ ڈور اکثریت یعنی ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے اور جو بعض مسلمان وہاں نظر آتے ہیں وہ بھی اکثریت کی ہی صدائے بازگشت ہیں کہ وہاں رہ ہی وہی سکتا ہے جو "نہاسٹر نوانس" ہو اس لئے جس اسکیم یا فیصلہ کو متحدہ قومیت کا فیصلہ کہا جاتا ہے۔ وہ در اصل ہندوؤں کا ہی فیصلہ ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس پر انگوٹھا کسی سید صاحب یا کسی مولانا صاحب سے لگوالیا جائے اب ظاہر ہے کہ مسلمان بچوں کو ایسی تعلیم جبریہ دینا جسمیں مذہب کا عنصر یکسر نہ ہو اور انہیں نجی طریق سے تعلیم حاصل کرنے سے ممنوع کر دینا۔ دس برس کے بعد کیا نتائج پیدا کریگا۔ یہ قدم اس وقت اٹھائے جا رہے ہیں جبکہ ہنوز ایک فیصدی آزادی بھی نہیں ملی۔ جب پورا سوراج مل جائیگا اس وقت کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے اس پر اگر مسلمان اکثریت کی چالوں سے بدگمان ہو جاتا ہے تو چاروں طرف سے شور اٹھتا ہے کہ غدار ہے جو اس دار و رسن کرد و سہ ہری نگاہ شوق پہ اسکے جبہ سختیاں + اپنی نگاہ

روپے کو خدا نے بڑی طاقت دی ہے اور چونکہ یہودی قوم دُنیا میں سب سے زیادہ سرمایہ دار قوم ہے اس لیے اس کو بھی زبردست قوت حاصل ہے کہ بڑی بڑی حکومتوں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے اور سرمایہ کے زور سے مسلمانوں کے قبلہ اول پر قبضہ کرنے کی دیرینہ آرزو پوری کر رہے ہیں۔

ہم نے تین سال ہوئے، عربی اخبارات میں پڑھا تھا کہ صیہونی تحریک کے علمبردار ڈاکٹر وزمین نے ہندوستان میں یہودیت کا پروپیگنڈا کرنے کے لیئے ہندوستان کے غیر مسلموں کو سرمایہ کا لالچ دیں گے اور اُسکے لیے تقریباً ایک کروڑ روپیہ مخصوص کر لیا گیا ہے اگر ڈاکٹر وزمین کو معلوم ہوتا کہ سنہری اور روپہلی جاذبیتوں کے ماتحت ہندوستان کے بعض مُسلمان قلب ماہیت کی خاص صلاحیت رکھتے ہیں تو وہ کبھی "غیر مسلم" کی شرط نہ لگاتے وہ غالبًا ابھی تک مسلمانوں سے بہت بڑی حد تک حسن ظن رکھتے ہیں۔

جس بات کے لیئے ہم نے یہ تمہید اُٹھائی ہے اس کو صرف ایک اخبار کا حوالہ دے کر ہمیں ختم کرتے ہیں اور نتیجہ قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں۔

> فلسطین یہودیوں کا قومی وطن ہے جو اُنکے اعمال اور سیاسی انقلابات کیوجہ سے انکے ہاتھ سے چھن گیا۔ اگر وہ اپنے ملک میں اور اپنے وطن میں آباد ہونا چاہتے ہیں تو عربوں کو کوئی حق اُن کی مخالفت کا نہیں ہے۔۔۔۔ کوئی مُسلمان میری بات مانے یا نہ مانے خوش ہو یا ناراض ہو۔ مگر میں پُوری آزادی اور جرات کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ یہودیوں کے خلاف جرمنی اور فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے میں اُس کو ظلم سمجھتا ہوں اور میں ظالموں کا ہم خیال نہیں ہوں اور مجھے یہودیوں سے پُوری ہمدردی ہے +
>
> (اخبار رُمنادی ۱۰ رجون ۱۹۳۸ء)

خدا اس قوم پر رحم فرمائے جسکے مشہور رہنما کی یہ حالت ہو +

---

۱۷ رجون کو انگلستان کی پارلیمنٹ میں سرحدی قبائل پر بمباری کے سلسلہ میں جو بیان وزیر اعظم برطانیہ نے دیا ہے وہ اخبار بین طبقہ کے سامنے آچکا ہے۔ جواب کی سیاسی نوعیت سے ہمیں کوئی تعلق نہیں بلکہ ہم دیکھنا یہ چاہتے ہیں کہ جو حکومت اسپین اور چین وجاپان کی بمباری پر بار بار احتجاج کر چکی ہے جو اسپین کے باشندوں کو فضائی آتش سے ہلاک ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتی جس کا قلب اتنا نرم ہے کہ

غریب چینیوں کی ہلاکت پر موم ہوئے جاتا ہے وہ کس جگر کے ساتھ فلسطین کے مظلوم عربوں اور وزیرستان کی غیر مصاف آبادی پر بمباری کر رہی ہے اور اس کا تماشہ کن آنکھوں سے دیکھ رہی ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ فلسطین کے عرب اور سرحد کے قبائل مسلمان ہیں؟ اور مسلمان ہونا ہی ایسا جرم ہے جس کی پاداش میں ہر قسم کی بربریت کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان بھی کسی کے نزدیک عدل و انصاف کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

مسٹر جناح اور صدر کانگریس (سوبھاش چندر بوس) کے درمیان بمبئی میں جو گفتگو ہوئی ہے وہ ابھی تک صیغۂ راز میں ہے مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جانبین کسی آخری تصفیہ کے لیے جو شکوک شبہات سے مبرا ہو بے چین ہیں اور دونوں طرف سے خواہش یہی ہے کہ آئے دن کے اختلافات ختم کر دیئے جائیں۔ رہا نفس تصفیہ کا معاملہ سو جب اسکا ظہور ہوگا اور ہم سب اسے دیکھیں گے تو اُسکے حسن و قبح کا اندازہ لگائیں گے اور معلوم کرینگے کہ جس مقصد کے لیے گفت و شنید کا سلسلہ جاری کیا گیا تھا اور مصالحت کی طرح ڈالی گئی تھی وہ کہاں تک حاصل ہوا ہے۔

اس موقع پر صلح ہو سکے یا نہ ہو سکے اور فریقین کسی متفقہ فیصلہ پر پہنچ جائیں یا نہ ہیں بہرحال مفاہمت و مصالحت کی ضرورت ہے اور ہمیشہ رہے گی مگر ایسی مصالحت جو اسلام کی مرکزیت کو صدمہ نہ پہنچائے اور امت مسلمہ اپنی مستقل ہستی کو گم کر کے اکثریت کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں نہ ڈالے مسلمان کانگریس میں شریک ہوں یا اس سے بھی بڑی کسی جماعت میں بہرحال ان کا مستقل وجود باقی اور قایم رہنا چاہیئے اور ان کی امتیازی خصوصیات کو اس حیثیت سے محفوظ رہنا چاہیئے کہ کفر و اسلام میں آسانی سے خط امتیاز کھینچا جا سکے مسلمان جہاں جائے اپنی اسلامیت کے ساتھ جائے اور جہاں سے آئے اپنی اسلامیت کے ساتھ آئے اگر ایسا نہیں ہے تو مسلم لیگ اور کانگریس کی صلح بھی مسلمانوں کے درد کی دوا نہیں ہو سکتی اور اس حالت میں ہر مخلص مسلمان کا فرض ہوگا کہ وہ غیروں کے علاوہ اپنوں سے بھی جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائے تاکہ اسلام اور اسلامی خصوصیات

خارجی اور داخلی ریشہ دوانیوں سے پاک ہو جائیں اور منافقت اپنی موت آپ مرجائے بسر جاخ کی طرف سے جس بنیادی شرط کا تذکرہ عام طور پر اخبارات میں ہو رہا ہے اگر وہ صحیح ہے اور خدا کرے کہ وہ صحیح ہو، تو اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں ملتِ اسلامیہ استقرار اور اُس کے امتیازاتِ خصوصی کے تحفظ کی اہمیت اُن کی نگاہوں کے سامنے ہے اور یہ امر ہر مخلص مسلمان کے لیے باعثِ ہزار مسرت و طمانیت ہے +

اِسلامی مَعاشِرت

صحیح انسانی معاشرت کیا ہے؟ اُس کے متعلق اِسلام کے احکام کیا ہیں؟ وہ کون سے عناصر ہیں جو انسان کی صحیح مَعاشرت کے منافی ہیں اور اس باب میں قرآن حکیم مسلمانوں کو کیا تعلیم دیتا ہے؟ اخلاق اور بد اخلاقی کے حدود کیا ہیں اور انسانی سیرت کن چیزوں کو اختیار کرنے سے پختہ ہوتی ہے؟ غرض معاشرت کے متعلق ایک مکمل دستور العمل قرآن کریم کی روشنی میں دیکھنا ہو تو "اسلامی مَعاشرت" کا مطالعہ کیجیے۔ ساٹھ صفحے کا رسالہ ہے اور جناب چودہری غلام احمد صاحب پرویز بی اے نے اِس میں قرآن کریم کا خلاصہ اور عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے +

ایک کاپی کے لیے ۴ر کے ٹکٹ ارسال کیجیے اور گھر بیٹھے معاشرت کے اہم مسائل سے واقفیت حاصل کیجیے۔

دفتر طلوعِ اِسلام جدید پریس
(بلیماراں دہلی)

جماعتی زندگی

(از جناب چودہری غلام احمد صاحب پرویز بی اے شملہ)

انسان اور حیوان کی زندگی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حیوان کے سامنے کوئی نصب العین حیات، کوئی مقصدِ زندگی نہیں ہوتا۔ اُس کی تمام تگ ودو طبعی ضروریات کی تحصیل تک ہی محدود رہتی ہیں۔ ایک گھوڑے کو آپ عمر بھر تھان پر باندھے رکھیں، اور گھاس پانی دیئے جائیں تو وہ نہایت مطمئن زندگی بسر کرے گا اگر آپ اس سے کچھ کام بھی لینا چاہیں تو وہ کام، وہ مقصد آپ کو خود متعین کرنا ہوگا۔ جہاں آپ اُسے چلائینگے وہ چلے گا۔ جہاں روکیں گے رُک جائے گا۔ نہ اُسکے سامنے اپنی متعین کردہ منزل ہوگی۔ نہ اس منزل کی طرف لے جانیوالا راستہ، پھر یہ بھی حیوانی زندگی کی خصوصیت ہے کہ اگر اُسکے ساتھ بندھا ہوا دوسرا گھوڑا دردسے بیتاب ہو رہا ہو تو اُسے کوئی احساس نہ ہوگا۔ یہ اپنے گھاس کھانے میں مصروف رہے گا۔ یہ ہے حیوانی زندگی۔ برعکس اس کے انسان کی زندگی ایک باالارادہ اور باالمقصد زندگی ہے۔ عبث و بے معنی نہیں۔ فرمایا:۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۲۳/۱۱۵

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو یونہی عبث۔ بے مقصد پیدا کر دیا اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آؤ گے۔

دوسری جگہ ہے:۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ۷۵/۳۶

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُسے یونہی بےمقصد زندگی بسر کرنیکے لئے چھوڑ دیا گیا ہے

اب سوال یہ ہے کہ یہ نصب العین حیات کیا ہے! مقصدِ زندگی کونسا ہے!! ایک تو مقصدِ زندگی وہی حیوانی ہے۔ کھانا۔ پینا۔ سو رہنا۔ اور وقت آنے پر مر جانا۔ وہی پرانا نظریہ ابیقوریت

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ ۴۷/۱۲

اور جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کی زندگی یہ ہے کہ وہ (سامان زینت) سے فائدہ

اٹھاتے ہیں اور حیوانوں کی طرح کھاتے پیتے (دن گذار دیتے ہیں) ۴۷/۱۲ +

اِسے بکسر "دُنیاداری" زندگی کہا جائے گا۔ یہی زندگی جسکے متعلق اکبر مرحوم نے کہا ہے ؎

ہم کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے؟

بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی۔ اور مر گئے

یہ خالص حیوانی زندگی ہے۔ اور جب زندگی کا نصب العین یہ قرار پا جائے تو حیوانات کیطرح انسان بھی ایک انفرادی زندگی بسر کرتا ہے اسکے سامنے سب سے مقدم "میں" ہوتا ہے۔ بلکہ ہوتا ہی "میں" ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اپنے بیوی بچوں کی نگہداشت کرتا ہے لیکن یہ چیز بھی حیوانی زندگی میں مشترک ہے۔ مادہ جب انڈے سیتی ہے تو نر خوراک کا انتظام کرتا ہے اور پھر دونوں ملکر بچے کی پرورش کرتے ہیں تآنکہ وہ اپنے بازوؤں پر اُڑنا نہ سیکھ لے۔ اگر انسان نے بھی اتنا کچھ کر لیا تو کیا کمال کیا۔ پھر مشکل ایک اور بھی ہو جاتی ہے جب انسان اس قسم کا انفرادی نظریہ زندگی سامنے رکھتا ہے تو وہ ہر شئے کو کاروباری نقطۂ خیال (Business Point of View) سے دیکھتا ہے جس چیز میں وہ "اپنا" فائدہ دیکھتا ہے بلا تامل اختیار کر لیتا ہے جس میں نقصان دیکھتا ہے چھوڑ دیتا ہے +

یہ وہ نصب العین ہے جسے "دنیا داروں" کی زندگی کہا جاتا ہے اسکے برعکس دوسری طرف "دینداری" کی زندگی ہے۔ جس میں نصب العین حیات یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح "میری" نجات ہو جائے۔ "مجھے" مکتی حاصل ہو جائے اس مقصدِ زندگی میں بھی انسان کی نگاہ اُسی "میں" پر ہوتی ہے۔ جس کا ذکر "دنیا داری" کی زندگی میں کیا جا چکا ہے۔ یہ بھی انفرادی زندگی

کا تخیل ہے یہ نصب العین بھی فطرت کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ اِس لیئے قرآن کریم نے فرمایا کہ یہ بھی ہمارا مقرر فرمودہ نصب العین نہیں۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ ... ۲۷

اور رہبانیت تو انھوں نے خود اپنے دماغ سے گھڑلی ہے ہم نے انپر اِسے فرض نہیں کیا

ان دونوں سے الگ۔ اِسلام نے وہ نظریۂ زندگی متعین کیا ہے جو عین فطرت کے منشا ہے اُس نے آسمانی ہدایت کی ضرورت ہی یہ بیان کی ہے کہ چونکہ انسان فطرۃً مدنی الطبع واقع ہوا ہے اس لیئے باہمی اغراض و مقاصد کے اشتراک سے ان میں اختلافات کا پیدا ہو جانا ضروری ہے۔ ان اختلافات کے فیصلے کے لیئے انسانوں سے بلند و بالاتر۔ رب العالمین کیطرف سے غیر جانب دار احکام کا آنا ضروری تھا۔ فرمایا۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً. فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ. مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ. وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۲۱۳

نوع انسانی کو چونکہ ایک جماعتی زندگی (اکٹھے ملکر رہنے کی زندگی) بسر کرنا تھی۔ اسلیئے اللہ نے انبیاء کو بھیجا۔ کہ وہ (اعمال صالحہ کے انعامات کی) خوشخبری دیں اور اعمال سیئہ کے عواقب سے آگاہ کریں۔ اور اُنکے ساتھ اللہ نے کتابیں نازل کیں حق کے ساتھ تاکہ وہ لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ کر دیا کریں۔ ۲۱۳

گویا قرآن کریم نے اُصولاً یہ بیان فرمادیا کہ انسان انفرادی زندگی بسر کرنے کے لیئے پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ اجتماعی زندگی کے لیئے پیدا کیا گیا ہے۔ اب اس ہیئت اجتماعیۂ انسانیہ میں جو انسان اپنا نصب العین وہ تجویز کریں جو آسمانی ہدایت نے متعین فرمایا ہے وہ تمام کے تمام ایک عظیم الشان "ملت واحدہ" کے افراد ہونگے جو ہمیشہ سے ایک چلی آئی ہے اور ایک ہی ہیگی قرآن کریم نے مختلف حضرات انبیاء کرامؑ کے تذکرہ کے بعد فرمایا:۔

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۹۲

یقیناً یہ تمہاری تمام اُمّت ایک اُمّت واحدہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں
سو میری ہی محکومی اختیار کرو

اس آیت میں جماعتی نظام کے تین عنوان متعین کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ تمام انسان جو اپنا نصب العین زندگی پیغام خداوندی کے ماتحت متعین کرینگے وہ ایک اُمّتِ واحدہ ہونگے ایک جماعت کے افراد ہونگے۔ اس جماعت کا مرکز۔ اس جھاڑو کے "تنکوں" کا بندھن۔ ان اجزائے پریشاں کا شیرازہ۔ ایک خدائے واحد کا ایمان ہوگا۔ جو ان سب کا پروردگار ہے۔ اور یہ سب لوگ۔ یہ جماعت صرف اس ایک خدا کی محکوم ہوگی کسی اور کی محکومیت اختیار نہ کرے گی۔ یعنی ایک آقا۔ ایک پالنہار۔ اور تمام اہلِ ایمان اُسکے غلام۔ ایک بزرگِ خاندان اور سب اُس ایک خاندان کے افراد۔ یہ ہے قرآنی نظریۂ زندگی یعنی انفرادی زندگی کے بجائے جماعتی زندگی۔ حیاتِ اجتماعیہ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے شروع سے اخیر تک کہیں ملتِ اسلامیہ کے افراد کو الگ الگ مخاطب نہیں فرمایا۔ ہر جگہ جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ تخاطب ہمیشہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا سے کیا گیا ہے وہ ایمان والوں کی جماعت جنکے متعلق فرمایا کہ "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ"، تم ایک بہترین قوم ہو۔ یا اللّٰہ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا۔ اس طرح ہمنے تم کو ایک بہترین قوم بنایا۔ قرآن کریم میں غور سے دیکھیے۔ جہاں جہاں دعائیں سکھائی گئی ہیں۔ ہمیشہ جمع کے صیغے میں ہیں رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً (اے ہمارے رب ہم کو دُنیا و آخرت میں بہترین زندگی عطا فرما)، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا... (اے ہمارے رب ہمپر گرفت نہ کر) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا (اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو پس از ہدایت گمراہ نہ کر دینا) وغیرہ۔ حتے کہ ایک شخص تنہا نماز میں کھڑا ہے اور دعائیں مانگتا ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہمکو سیدھی راہ دکھا۔ "میں" کی جگہ "ہم" قرآن نے سکھایا ہے۔ یہاں تک کہ روزمرہ کی زندگی میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو قاعدے کی رو سے انہیں السّلام علیک کہنا چاہیئے۔ تجھ ایک پر سلام و رحمت لیکن انہیں السّلام علیکم کہنے کا

حکم ہے وہ ساری جماعت کو مخاطب کرتے ہیں ایک ایک فرد کو نہیں

جب انسان کے سامنے اس جماعتی زندگی کا تخیل ایمان کی شکل میں آجاتا ہے تو اس کی نگاہ کا زاویہ بدل جاتا ہے۔ وہ ملت کے اندر جذب ہو جاتا ہے اس کی انفرادی ہستی باقی نہیں رہتی۔ اسوقت وہ عملاً بتا دیتا ہے کہ عشرتِ قطرہ فی الواقع دریا میں فنا ہو جانا ہے۔ جب یہ قطرہ ملت کے بحرِ بے کنار میں مل جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اُسے اُس سے الگ نہیں کر سکتی پھر اُس کی اپنی ہستی کی الگ شناخت ہی باقی نہیں رہتی۔ جب اس سمندر میں مد کا عروج ہوتا ہے تو سارے سمندر کے ساتھ اس بے بضاعت قطرہ کا بھی عروج ہوتا ہے اور جب جزر ہوتا ہے تو یہ بھی باقی سمندر کا ساتھ دیتا ہے اسوقت اس کا تمام کاروبار۔ اس کی تمام تگ و دو، تمام کدو کاوش۔ اپنے لیے نہیں۔ بلکہ ملت کے لیے ہو جاتی ہے حتےٰ کہ اس کی عبادات اس کی قربانیاں سب اس مقصدِ عظیم کے لیے وقف ہو جاتی ہیں یہاں پہنچ کر "دنیا داری" کی خود غرضی کی زندگی۔ اور رہبانیت کی انفرادیت کی زندگی سمٹ سمٹا کر ایک جامعی زندگی کے رنگ میں رنگی جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان مُسلم کہلاتا ہے۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذالک امرت وانا اوّل المسلمین۔ ۶-۱۶۳

کہہ دیجے کہ میری نمازیں میری قربانیاں میرا مرنا میرا جینا سب اللہ۔ رب العلمین کے لیے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اس کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا مُسلم ہوں

قرآن کریم میں اگر آپ غور سے دیکھیں تو للہ (اللہ کے لیے) لمرضات اللہ (خوشنودی خدا کے لیے) فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں) وغیرہ الفاظ کا مفہوم عام طور پر یہی ہے کہ ایک عبدِ مومن کے تمام اعمالِ حیات خلوص نیت کے ساتھ بغیر کسی اجر و معاوضہ کے خیال کے۔ اپنی ذات کے بجائے ملت کے لیے وقف ہو جائیں کہ ملتِ اسلامیہ کا اپنی حقیقی ہیئت کذائی میں موجود رہنا فی الحقیقت دُنیا میں خدائے برحق کا نام باقی رہنے کا موجب ہے۔ اسلام کے اولیں دور میں ملتِ اسلامیہ۔ وہ مومنین کی متحدہ جماعت۔ وہ اُمتِ مسلمہ کہ جس کی نظیر نہ اس سے پیشتر

چشم فلک نے دیکھی نہ اس کے بعد دیکھنے میں آئی ۔ جب بیکسی اور بے بسی میں گھری ہوئی تھی۔ مخالف قوتوں کا ہجوم چاروں طرف سے یورش کر کے سیلاب بلا کی طرح امنڈتا چلا آرہا تھا ایسے وقت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَنفقوا فی سَبِیلِ اللّٰہِ وَلَا تُلقوا بِاَیدیکم اِلی التھلکۃ ۲/۱۹۵

اور اللہ کی راہ میں مالی قربانی کرو۔ اور اپنے آپ اپنے ہاتھوں تباہی میں نہ ڈالو

یہ اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنا کیا تھا ایہی کہ اگر اس وقت ان لوگوں کے دلوں میں جنکے پاس دولت تھی اجتماعی حیات کے بجائے انفرادی زندگی کا تصور جاگزیں ہو جاتا۔ وہ سمجھ بیٹھتے کہ ہم "دوسروں" کی خاطر اپنی متاع حیات کو کیوں لٹا دیں تو نتیجہ ظاہر تھا۔ اس انفاق کو فی سبیل اللہ کہا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ اللہ کو اس روپے کی کیا ضرورت تھی وہ تو خود اپنے ہی لیئے تھا لیکن جو مال اپنی ذاتی ضروریات میں اپنی مرضی سے صرف کیا جائے وہ انسان اپنے راستے میں صرف کرتا ہے لیکن جو کچھ مفاد ملی کے لیئے صرف کرے وہ "اللہ کی راہ میں" صرف ہوتا ہے پہلا ہر چند "اپنے لیئے" ہوتا ہے لیکن یہ سمجھ کی بھول ہوتی ہے دوسرا بظاہر "دوسروں" کے لیئے ہوتا ہے لیکن یہی دراصل "اپنے لیئے" ہوتا ہے اسی لیئے فرمایا کہ

وَمَا تُنفِقُوا من خیرٍ فلِاَنفُسِکُم ۲/۲۷۲

جو کچھ تم اسطرح صرف کروگے وہ تمہارے اپنے ہی لیئے ہے

یُوَفَّ اِلیکُم ۲/۲۷۲

وہ تمہیں پورا پورا واپس دیدیا جائیگا

نہیں بلکہ دگنا چوگنا ہو کر

مَن ذَا الَّذِی یُقرِضُ اللّٰہَ قَرضًا حسنًا فَیُضٰعِفَہ لَہ اَضعافًا کَثِیرۃ ۲/۲۴۵

جو اللہ کو قرض حسنہ دیگا تو اللہ اسے بہت زیادہ بڑھا کر واپس دیگا

یہ اللہ کو قرض دینا کیا ہے ؟

یہی کہ ملت کے مفاد میں صرف کیا جائے' امیر قوم ۔مرکز ملت ۔ کے قدموں میں لاکر ڈھیر کردیا جائے۔ یہ ہیں وہ کام جنہیں للّٰہ (اللہ کے لیے) اور فی سبیل اللّٰہ (اللہ کے راستے میں) کہا گیا۔ اسی طرح جہاد کی آیات میں جہاں جہاں آپ فی سبیل اللّٰہ دیکھیں گے یہی مفہوم ہوگو کہ ملت اسلامیہ کے استحکام واستبقار کی خاطر کہ جو دُنیا میں حق وانصاف کی علمبردار۔ اور پیغامِ خداوندی کی محافظ وامین ہے ۔ایک فرد اپنی عزیز ترین متاع ۔یعنی زندگی تک قربان کردے اس کا کام میدان جنگ میں جان دیدینا ہو۔ یہ پوچھنا نہ ہوکہ اُس کے خون کا خونبہا کون وصول کرے گا۔ یہ زندگی اللہ نے دی تھی ۔ اللہ ہی کے لیے کام آگئی ۔ یہ ہے مفہوم فی سبیل اللّٰہ کا ۔جب تک افراد کے اندر یہ جذبۂ ملی قایم رہے گا اس کی قوم زندہ رہے گی ۔جب یہ فی سبیل اللّٰہ (ملت کیخاطر) قربانیوں کی حرارت سرد پڑ جائے گی' قوم تباہ ہو جائے گی اور اس کی جگہ دوسری قوم آجائے گی ۔

اِلَّا تنفروا یعذبکم عذابًا الیمًا ۔ ویستبدل قومًا غیرکم..... $\frac{۹}{۳۹}$

اگر تم (ان قربانیوں کے لیے) باہر نہ نکلو گے تو اللہ کا سخت عذاب تم پر مسلط ہو جائیگا

(یعنی تم سب کے سب مٹ جاؤ گے) اور تمہاری جگہ دوسری قوم آجائے گی

یہاں دیکھیے افراد کی معصیت کوشیوں کی سزا ساری قوم کو بھگتنی پڑتی ہے اِس لیے کہ معصیت انفرادی نہ تھی ۔بلکہ اجتماعی تھی ۔یعنی جب افراد کے دل سے اجتماعی زندگی کا تصور محو ہو جائے اور اس کی جگہ انفرادی زندگی کا غیر اسلامی تصور قایم ہو جائے ۔ تو پھر وہ ساری قوم تباہ ہو جاتی ہے ۔ اور اس کی جگہ ایک دوسری قوم آجاتی ہے جو اس پہلی قوم جیسی نہیں ہوتی (ثم لَا یکونوا امثالکم ۔ ۳۸ ؍ ۴۷) اس نئی قوم کے افراد میں اجتماعی زندگی کا احساس ہوتا ہے ۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث وآثار میں اس شدت کے ساتھ جماعتی زندگی کے تخیل کو واضح کیا گیا ہے کہ انہیں دیکھنے کے بعد اس امر کے یقین کر لینے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا

کہ اسلام نام ہی اجتماعی زندگی کا ہے۔ انفرادی زندگی کا تصور یکسر غیر اسلامی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا من فارق الجماعۃ فمات میتۃ الجاھلیہ جو جماعت سے الگ ہوا وہ جاہلیت کی غیر اسلامی موت مرا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الجماعۃ من شذّ شذّ فی النار جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اللہ خود اس کا محافظ ہوتا ہے جو جماعت سے الگ ہوا سیدھا جہنم میں گیا۔ حضرت عمرؓ نے خطبات میں اکثر اس حدیث مقدس کو بیان فرمایا کرتے تھے کہ عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ۔ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مع الْوَاحِدِ۔ وَھُوَ مِنَ الاثْنَیْنِ اَبْعَدُ ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو کیونکہ اکیلے کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور جب وہ دو ہو جائیں تو پھر وہ بہت دور ہٹ جاتا ہے +

اکیلے سے مراد انفرادی زندگی کے نظریہ کا حامل اور دوسے مفہوم جماعتی زندگی کے تصور کا علمبردار ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ کا یہ جملہ کہ لا اسلام الّا بجماعۃ۔ کہ اسلام جماعت کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ گویا تمام اسلامی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فرمایا کرتے تھے ا-

ایاکم والتفرقہ۔ فان الشاذ من النّاس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب -
الا من دعا الی ھذا الشعار فاقتلوہُ وَلَوْکَانَ تحت عمامتی ھذہ۔

تفرقے سے ہمیشہ بچنا۔ کیونکہ جو انسانوں سے الگ رہتا ہے اسے شیطان یوں دبوچ لیتا ہے جیسے کہ بھیڑ کو بھیڑیا دبوچ لے۔ جو گلہ سے الگ ہو جائے۔ یاد رکھو! جو شخص تمہیں اس انفرادیت کی زندگی کی طرف بلائے۔ اسے قتل کر ڈالو۔ خواہ وہ اس میرے عمامے کے نیچے ہی کیوں نہ ہو یعنی میں ہی کیوں نہ ہوں نعوذ باللہ" اور مسند امام احمد کی ایک عظیم المرتبت روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "میں تم لوگوں کو ان پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے یعنی الجماعۃ والسمع (سننا)، والطاعۃ (اطاعت کرنا)، والھجر (ملت کی خاطر سب کچھ ترک کر دینا)، والجہاد فی سبیل اللہ (ملت کے استحکام کے لیے زندگی تک دے دینا) یاد رکھو جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہو گیا۔ اس کی گردن سے اسلام کا طوق اتر گیا۔ عرض کیا کہ حضورؐ! خواہ وہ روزے

رکھتا ہو۔ اور نماز پڑھتا ہو! فرمایا کہ ہاں! خواہ وہ نمازیں پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو اور بزعم خویش اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتا ہو"۔ جماعتی زندگی کی تاکید میں تو یہاں تک فرمایا کہ إذ كان ثلاثة في سفر فليؤمروا احدهم۔ کہ اگر تین آدمی بھی سفر میں ہوں تو اپنے میں سے ایک کو اپنا امیر مقرر کرلیں وہ امیر کہ جسکے متعلق فرمایا کہ اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی۔ خواہ تمہارے اوپر ایک حبشی غلام ہی امیر کیوں نہ مقرر کر دیا جائے۔ اُسکے احکام کو بگوش ہوش سُنو۔ اور اُس کی اطاعت کرو۔

یہ تھا وہ نظامِ جماعت اور وہ اطاعت امیر کا صحیح تصور جس نے چند سال کے عرصے میں نہ صرف دُنیا کی تاریخ اور جغرافیہ کو ہی بدل ڈالا۔ بلکہ خود انسانیت کے اندر ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ لیکن جب کوئی قوم گر جاتی ہے تو اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ صحیح تعلیم کی روح تو اُڑ جاتی ہے اور لاش کو وہ اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتی ہے۔ اور اُسے اتنی متاعِ گراں بہا سمجھتی ہے کہ جو شخص اس لاش کو مُردہ بتائے اور کہے کہ اس میں رُوح پھونکنے کی بھی فکر کر دتو اسے قابلِ گردن زدنی قرار دیدیا جاتا ہے جماعت اور امام کے الفاظ آج بھی آپ کو مساجد کے صحن میں سُنائی دینگے لیکن نہ بولنے والے اور نہ سُننے والے کو احساس ہوگا کہ ان سے مفہوم کیا ہے "جماعت مل گئی"! جماعت ہوگئی"! کے استفسارات آج بھی مسجد کے دروازوں پر آنے جانے والوں کی زبان پر ہونگے لیکن ان میں سے شاید ہی کسی کو پتہ ہو کہ یہی ایک لفظ جماعت جب شرمندہ معنی ہوا تھا تو اُسنے کس طرح دُنیا کے تختے اُلٹ دیئے تھے۔ آج جماعت سے مفہوم رسمی طور پر صفیں سیدھی کر کے اکٹھے ملکر نماز پڑھ لینے کے ہیں۔ اور طاعتِ امام سے مقصود ایک آگے کھڑے ہونیوالے کی آواز پر اُٹھنے اور جھکنے کے، حالانکہ یہی نمازی جب ایسے ہی ایک امام کے حکم پر اُٹھتے اور جھکتے تھے تو ان کے اُٹھنے سے آسمان ابھر جاتا تھا۔ اور اُنکے جھکنے سے زمین دَب جاتی تھی۔ کائنات کے سمندر کا مد وجزر اِنہی کے اُٹھنے اور جھکنے کا رہینِ منت تھا اور شرفِ انسانیت کی خاموش فضاؤں میں تموج اسی سے پیدا ہوتا تھا۔ آج کی نماز اور اسوقت کی نماز کے الفاظ و ارکان میں کچھ فرق

نہیں لیکن جب مفہوم نگاہوں سے اوجھل ہوا تو وہی نماز جو "معراج المومنین" بن کر انہیں دین و دنیا کی سرفرازیوں کے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جاتی تھی آج اُن کے مُنہ پر لوٹا کر ماردی جاتی ہے کہ اس جنسِ کاسد کا کوئی خریدار نہیں۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

جماعت کے معنی ہیں افراد کا ملت کے اندر گم ہو جانا اور طاعت امام کے معنی ایک مرکز کے فیصلوں کے سامنے جھک جانا۔ یہ ہے اسلامی جماعتی زندگی، یہ ہے وہ حقیقت کبریٰ جس کی محسوس و مشہود شکل دن میں پانچ مرتبہ مسلمانوں کے سامنے لائی جاتی تھی اور اس چیز کو واقفِ اسرار حقائق صلعم فداہ ابی و اُمّی نے کافر اور مومن میں وجۂ امتیاز قرار دیا تھا کہ کافر کی زندگی جیسا کہ ہم شروع میں دیکھ چکے ہیں انفرادیت کی زندگی ہے حیوانیت کی زندگی ہے اور مومن کی زندگی اجتماعیت کی زندگی ہے انسانیت کی زندگی ہے +

یہ مرکز کیا ہوگا !! اس جماعت کا عملی نظام کیسا ہوگا !! اس جماعت میں اور دنیا کی دوسری منظم جماعتوں میں فرق کیا ہوگا !! ان کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللہ

اسلامی نظام اور کانگرس

(از ادارہ)

ہندوستان کے مسلمانوں میں اغراض پرستوں کی بدولت مذہبی انتشار کیا کم تھا کہ اب تحریک آزادی کے صدقہ میں ان کا سیاسی قبلہ بھی متزلزل ہو رہا ہے اور ان کے زاویہ نگاہ میں اس قدر اختلاف پیدا ہو گیا ہے کہ ملت اسلامیہ ہندیہ مستقل دو طبقوں میں تقسیم ہو گئی ہے اور اسلامی وحدت یوں پارہ پارہ ہو رہی ہے۔ ایک فریق مشرق کی طرف قدم بڑھائے چلا جا رہا ہے دوسرا مغرب کی جانب گامزن ہے۔ ایک کے نزدیک وقت اور سیاست کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ اپنے امتیازی وجود کو ختم کر کے اکثریت کی "کان نمک" میں اپنے آپ کو تحلیل کر دے۔ دوسرے کے نزدیک یہ اقدام خودکشی کے مرادف ہے۔ غرض جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ خدا اور رسول صلعم پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کو اپنی زندگی کا دستور قرار دیتے ہیں ان میں سے ایک گروہ روبقبلہ ہے اور دوسرا گروہ ترکستان کی طرف جا رہا ہے۔ اور جس اسلامی وحدت کو دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی فنا نہیں کر سکی وہ آج ہندی سیاست کی بدولت یوں ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے۔

موجودہ سیاسی افکار کے تقلب اور تحول سے دیگر قوموں میں احساس و بیداری کے عناصر پیدا ہو گئے ہیں بعکس مسلمانوں پر الٹا اثر کیا ہے اور ان پر اختلاف و شقاق کی مصیبتیں نازل ہونے لگی ہیں۔ اس وقت قومیت پسند مسلمانوں کے نزدیک اہم ترین سوال یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو حقیقی مسلمان کس طرح بنایا جائے۔ خدا کا پیغام خدا کی مخلوق تک کس طرح پہنچایا جائے۔ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں ان کی مرکزیت کی تجدید و اصلاح کا کام از سر نو کس طرح شروع کیا جائے۔ وہ اکثریت کے ہجوم اور انقلاب کے تصادم میں اپنے مذہب۔ اپنی روایات۔ اپنے کلچر اور اپنی خصوصیات کو کس طرح برقرار رکھیں۔ بلکہ ان کے سامنے اصل سوال یہ ہے کہ

اسلام کی عالمگیر وحدۃ کو جو انسانیت کے پاک وجود پر مبنی ہے کس طرح وطنیت اور قومیت میں تقسیم کیا جائے۔ اپنے امتیازی خصائص اور اپنی تہذیبی۔ لسانی۔ عمرانی اور معاشرتی علائم کو بالائے طاق رکھ کر کس طرح ایک مشترک تہذیب اور قومیت کو بروئے کار لایا جائے۔ یہ مذہب۔ مذہب کا شور جو عوام کے لئے افیم سے کم نہیں ہے اس کو کس طرح پست کیا جائے۔ رو ٹی کے پردہ میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا جانی دشمن کس طرح بنایا جائے اور بالآخر مسلمانوں کی ایمانی صلابت کو اکبری مذہب کی "لطافت" میں کس طرح اور کس نوعیت سے تحلیل کیا جائے!

یہ وہ خیالات ہیں جو نہ صرف ہندو اکثریت کے دماغ میں بلکہ خود قومیت پسند اور روشن خیال مسلمانوں کے دماغ میں کانگرس کی تحریک کے ساتھ ساتھ پرورش پا رہے ہیں اور ان کے سہارے مجلس قومی کے ارکان مسلمانوں سے "رابطہ" پیدا کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اگر یہ خیالات کسی غیر مسلم جماعت تک محدود ہوتے تو ہمیں ان پر قلم اٹھانے اور ان کا تجزیہ کرنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے اسلام کے قلعہ میں ڈینامیٹ بچھا رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کے سے نام رکھ کر مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اپنی اسلامی بصیرت کے ساتھ کہتے ہیں۔ اور ان کے سامنے مسلمانوں کے مفاد کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اگر مسلمان اپنا سیاسی مرکز علیحدہ قائم کرکے اپنے آپ کو مسلمان بھی رکھنا چاہتے ہیں تو ان حضرات کی طرف سے سوال ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کا مقصد کیا ہے؟ ان کا نصب العین اگر کامل آزادی کا حصول۔ غربت و افلاس کا علاج اور کسانوں اور مزدوروں کی فلاح و بہبود ہے تو بعینہ کانگرس کا مقصد حیات بھی یہی ہے اور جب مقصد متحد ہے تو علیحدہ علیحدہ اکھاڑے بنانے اور جداجدا مرکز قائم کرنے کی آخر ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ گویا اس سوال کے ذریعہ وہ مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کانگرس کا موجودہ نظام عین اسلامی نظام ہے اور جو کام مسلمانوں کے کرنے کا تھا اس کو کانگرس انجام دے رہی ہے۔ پھر اگر اس مشترک ادارہ کے مقابلہ میں کوئی دوسرا ادارہ بھی انہی مقاصد کے ساتھ قائم کر دیا جائے تو یہ نہ صرف کانگرس سے

بلکہ اسلام سے بھی بغاوت ہوگی۔ اور دُنیا مسلمانوں کو مطعون کرے گی کہ وہ آزادی کے دشمن اور ملکی ترقی کے مخالف ہیں۔ آج کی صحبت میں ہم اسی سوال پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں اور واقعات کی روشنی میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مقصد اور نصب العین میں متحد ہونے کے باوجود مسلمان اپنا سیاسی مرکز علیحدہ قائم کرنے اور اکثریت کے طرز حکومت سے دامن بچانے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔ اور اس میں ان کو کہاں تک حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہم یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ جو مسلمان وطن کی آزادی کے لئے کوئی تڑپ نہیں رکھتا اور غلامی کی ذلتوں پر قانع رہنا چاہتا ہے وہ وطن ہی کا دشمن نہیں بلکہ اسلام کا بھی دشمن ہے۔ اسلام حریت و آزادی کا ہمیشہ علمبردار رہا ہے اور غلامی سے نجات دلانا اس کے ظہور کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے وہ غلامی اور محکومی کا کبھی حامی نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ آزادی کا طلبگار رہے گا۔ غلامی کو خدا کی سب سے بڑی لعنت تصور کریگا۔ خود آزاد ہو کر زندگی بسر کرے گا۔ اور دوسروں کو آزاد کرانے میں اپنی زندگی تک کو قربان کر دیگا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان فرنگیوں کی غلامی سے آزاد ہو کر ہندوؤں کی غلامی اختیار کرلے اور بدیشی اقتدار کا جوا اتار کر سودیشی غلامی کا لعنتی طوق اپنی گردن میں ڈال لے۔ کیونکہ اس کو نہ انگریزوں سے عداوت ہے نہ ہندوؤں اور یہودیوں سے، اس کو عداوت ہے غلامی اور محکومی سے خواہ وہ فرنگیوں کی غلامی ہو یا ہندوؤں اور عیسائیوں کی۔ اور خواہ وہ سمندر پار سے آئے یا خود ہمارے ملک میں اس کی داغ بیل ڈالی جائے مسلمان آزادی کی خاطر جس طرح انگریز سے لڑ سکتا ہے اسی طرح ابنائے وطن سے بھی نبرد آزما ہو سکتا ہے۔ اور آزادی کی خاطر اگر وہ انگریز سے صلح کر سکتا ہے تو اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں سے بھی ہاتھ ملاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کی آزادی کا مقصد نسل انسان کی آزادی ہے۔ تمام دُنیا کی قوموں کی بہبود و فلاح ہے۔

اس کے باوجود کیا وجہ ہے کہ مسلمان اپنی علیحدہ تنظیم کے خواہاں ہیں اور اپنی علیحدہ مرکزیت کے

قیام کو ضروری خیال کر رہے ہیں۔ اس کا جواب ہم سطور ذیل میں دینے کی کوشش کریں گے۔

مادی رجحانات کے تحت دیگر اقوام کی زندگی کا مقصد اقتصادی اور سیاسی آزادی ہے۔ مگر مسلمان کا مقصد یہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے نزدیک استقلال حیات کا نصب العین ایک ذریعہ ہے دیگر اخلاقی و روحانی مقاصد کے حصول کا۔ گویا کانگرس جس آزادی کو اپنا مقصد قرار دے رہی ہے اور جہاں جا کر اپنی جد وجہد ختم کر دینا چاہتی ہے وہاں سے ایک مسلمان کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ کانگرس کا مقصد قومیت اور وطنیت کے محدود دائرہ میں پرورش پا کر اس مادی دنیا میں معدوم ہو جائیگا۔ مگر مسلمان کا مقصد اس دُنیا میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی باقی اور دائم رہے گا۔ کیونکہ جو چیز انسانیت کی بنیادوں پر قائم ہوگی اس کو بقا کی دولت بھی حاصل ہوگی۔

اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض

جو چیز انسانوں کے لئے نفع بخش ہوگی وہ زمین پر باقی رہے گی۔

مسلمان اس لئے آزادی چاہتا ہے کہ خدا کی زمین میں امن قائم ہو۔ عدل و انصاف کی بساط نسل انسانی کے لئے بچھائی جائے۔ انسان انسانیت کا احترام کرنا سیکھے۔ قومی۔ وطنی۔ لسانی۔ لونی اور دیگر خصوصیات کو فنا کر کے مختلف طبقات و اجناس میں حقیقی مساوات قائم کرے۔ حکومت کے قانون کا سرچشمہ خطا کار اور خود غرض انسان کے بجائے الٰہی شریعت ہو۔ اور ایک صالح حکومت منظر عام پر آئے جس کے ذریعہ مکارم اخلاق کی اشاعت ہو۔ معروف و منکر، خیر و شر اور نیکی بدی میں حد فاصل قائم کی جائے۔ تزکیۂ نفوس اور خیرات و صالحات کی تلقین عام ہو تاکہ انسان روح و جسم کا صحیح امتزاج کر کے دین اور دنیا کی سرخروئی حاصل کرے اور مقصد تخلیق کو انجام تک پہنچائے۔ کانگرس جس آزادی کی طلبگار ہے۔ اگر وہ حاصل ہوگئی تو قومیت اور وطنیت کی لعنت خدا کی زمین کو اسی طرح شر و فساد سے بھر دیگی جس طرح آج اس نے یورپ کو جہنم زار بنا رکھا ہے۔ اس کے علاوہ "قومی حکومت" کو صرف مادی سیاست اور دولت سے تعلق رہے گا۔ اس کی بلا سے اگر مکارم اخلاق کی عمارتیں منہدم ہو جائیں۔ دہریت و الحاد کا دور دورہ ہو۔ خدا اور یوم آخرۃ کا علی الاعلان انکار کیا جائے۔ اور اخلاقی قیود کی زنجیریں ٹوٹ کر اباحت مطلقہ

کی لعنت عام اور عالمگیر ہو جائے۔ ایک مسلمان ایسی حکومت پر جو حیات اخروی کے تصور سے خالی ہو اور صرف اسی دنیا میں عیش و عشرت کے لئے مخصوص ہو ہزار دفعہ لعنت بھیجے گا اور کبھی نہ چاہے گا کہ چند روزہ دُنیا پر لازوال اور ابدی زندگی کو قربان کردے۔ بیشک مسلمان دُنیاوی ذلت و افلاس کو خدا کا عذاب سمجھتا ہے لیکن اس ذلت و مسکنت کو دُور کرنے کے لئے وہ عاقبت نہیں بیچ سکتا۔ وہ اس ذلت کو اس انداز سے دُور کریگا کہ دُنیا اور آخرت دونوں کی سرفرازیاں اسے حاصل ہو جائیں۔

ظاہر ہے کہ کانگرس کا نظام ترکیبی اور آئندہ قومی حکومت کا خاکہ غیر مسلموں کی اکثریت سے تیار ہوگا اور اس کا سرچشمہ ہوگا روس کی وہ اشتراکیت جو اسلام کی عین ضد ہے[1]۔ اسلام خدا کے تصور اور یوم آخرۃ کے عقیدہ کو انسانیت کے لئے اول اور آخر چیز قرار دیتا ہے اور اشتراکیت ان ہی دو چیزوں کی نفی کا نام ہے۔ وہ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے اقتصادی نظام نہیں ہے بلکہ سرتاسر مادی نظام ہے جو روحانیت اور اخلاقیت کی مخالف سمت میں واقع ہوا ہے۔ اب آئندہ کانگرس کے زیر سایہ جو حکومت بھی قائم ہوگی۔ وہ لادینی اور خدا کے انکار پر مبنی ہوگی۔ اور حکومت کے زور سے مذہب و اخلاق اور روحانیت کی جڑیں کاٹی جائیں گی۔ اور اب تک روس میں جو کچھ ہوا ہے اس کا پوری قوت سے اعادہ کیا جائیگا۔

کانگرس کے سابق صدر پنڈت جواہر لال نہرو نے "اپنی کہانی" میں مذہب کے خلاف جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور اسلامی تہذیب و تمدن کا جس طرح خاکہ اڑایا ہے۔ وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مستقبل کی حکومت کے لئے ابھی سے کس قسم کا مسالہ تیار کیا جا رہا ہے۔ اور اس مسالہ سے کس قسم کی عمارت تیار کی جائے گی۔

کانگرس کے موجودہ صدر سبھاش چندر بوس نے کانگرس کے سالانہ اجلاس کے خطبہ صدارت میں صاف صاف فرما دیا ہے کہ آئندہ قائم ہونے والی حکومت اشتراکی ہوگی۔ یہ حقیقت کہ کانگرس

---

[1] صحیح "اسلامی اشتراکیت" کیا ہے اس کے متعلق طلوع اسلام کی کسی آئندہ اشاعت میں لکھا جائیگا انشاءاللہ۔ (طلوع اسلام)

کا رجحان اشتراکیت کی جانب ہے اور وہ روز بروز اسی سانچہ میں ڈھلتی جا رہی ہے۔ ہم کانگرس کے نیم سرکاری اخبار سے پیش کرتے ہیں۔ اخبار "ہندوستان" لکھنؤ اپنی تازہ اشاعت میں لکھتا ہے:۔

"جواہر لال نہرو نے چھ سال گزرے جب ایک کتاب لکھی تھی "ہندوستان کدھر؟" اس میں انھوں نے بحث کی ہے کہ ہم کیوں لڑ رہے ہیں آزادی سے ہمارا کیا مقصد ہے؟ . . . . . اس کتاب کا نکلنا تھا کہ ملک میں غل مچا جواہر لال سوشلسٹ ہو گئے . . . . . . مگر اب تمام آزادی پسند جماعتیں، نوجوانوں کا سارا طبقہ اور کانگرس اسی راہ پر جا رہی ہے۔ اسی پروگرام پر چل رہی ہے۔ یہ ہے جواہر لال کے مطالعہ کا اثر۔"

(اخبار "ہندوستان" مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۳۸ء صا)

یہی اخبار آگے چل کر لکھتا ہے کہ:۔

"سوشلسٹوں کا کانگرس میں صرف یہی کام نہیں ہے۔ کہ وہ کسی جماعت کے لئے روک کا کام دیں بلکہ وہ کانگرس کے اقتصادی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا راستہ نکالتے ہیں۔ کانگرس نے جو کچھ کسانوں اور مزدوروں کے لئے کیا اس میں سوشلسٹوں کا خاص دخل ہے۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ کانگرس نے جواہر لال کا نظریہ قبول کر کے اس روش پر چلنا شروع کر دیا ہے۔ جو ان کے رہنما روسی اشتراکیوں کی روش ہے۔ اور آجکل کانگرس میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں "سوشلسٹوں کا خاص دخل ہے۔" اور چونکہ اشتراکیت اور لادینی مرادف حقیقتیں ہیں اور کانگرس اسی سانچہ میں ڈھل رہی ہے۔ اس لئے آئندہ قومی حکومت مادی رجحانات کے تحت مذہب کی دشمن ہوگی اور اس وقت ہندوستان کے مذاہب کا وہی حشر ہوگا۔ جو روس کی اشتراکی حکومت میں ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی لادینی حکومت سے اسلام یا مسلمانوں کی کبھی مصالحت نہیں ہوسکتی۔

اس پر شاید یہ کہا جائے کہ جو اشتراکیت آئندہ حکومت کا خاکہ تیار کرے گی اور اشتراکیت کی بنیاد پر تعمیر کا نقشہ بنائے گی اس کو پہلے خود مذہب سے آزاد ہونا چاہئے تاکہ وہ مذہب کے خلاف نبرد آزما ہوسکے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی اکثریت خود ایک مستقل مذہب کی علمبردار ہے۔ اور اس کو اپنا مذہب اتنا ہی عزیز ہے جتنا مسلمانوں کو اپنا مذہب اسلام۔ اور جب اکثریت خود مذہب کی حامی ہوگی تو اس کے ہاتھوں سے حکومت کا جو خاکہ تیار ہوگا وہ کس طرح دہریت اور لادینی کے مرادف ہوگا اور مذہب کو ماننے والی اکثریت کس طرح مذہب کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوگی۔ اگر بفرض محال ایسا ہوا بھی تو اشتراکیت اور دہریت کی زد سے وہ بھی نہ بچ سکے گی اور مسلمانوں کی طرح اس کو بھی نقصان برداشت کرنا ہوگا۔

مگر یاد رکھئے کہ آئندہ قائم ہونے والی حکومت سے، خواہ وہ اشتراکی ہو یا فسطائی قسم کی، ہندوؤں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ خطرہ تو اس کو ہو جس کا کوئی مستقل مذہب مستقل تہذیب اور مستقل تمدن ہو اور جو اپنے اندرونی نظام کے اعتبار سے اس قدر مکمل ہو کہ ہر مخالف تحریک اس سے ٹکرا جائے اور کسی اجنبی تہذیب کا کوئی ادنیٰ عنصر بھی اس میں داخل نہ ہوسکے۔ مگر ہندو مذہب کا یہ حال ہے کہ وہ سب کچھ ہوسکتا ہے مذہب نہیں ہوسکتا۔ وہ مذہب نہیں ایک سوسائٹی ہے جو زمان و مکان کے اعتبار سے ہر سانچہ میں ڈھلنے اور ہر قالب میں تبدیل ہونے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

بلاشبہ اشتراکیت خدا اور مذہب کی دشمن ہے۔ اخلاق اور رُوحانیت کے منافی ہے مگر ہندو مذہب کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ جس مذہب کی وسعت کا یہ حال ہو کہ ایک خدا پرست اور ایک دہریہ بیک وقت اس کے دائرہ میں رہ سکتے ہیں اس کے لئے اشتراکی نظام کو قبول کرلینا اور خدا اور مذہب سے باغی ہوجانا کیا مشکل ہے۔ جواہر لال نہرو دہریہ ہیں اور دہریت کی کُھلم کُھلا تبلیغ کرتے ہیں تاہم وہ ہندو ہیں

اور ہندو سوسائٹی ان کو ہندو ہی سمجھتی ہے۔ گاندھی جی کٹر قسم کے سناتن دھرمی اور قدامت پسند ہیں اور ہندو دھرم میں شامل ہیں۔ مگر نفس ہندو ہونے کے اعتبار سے گاندھی اور جواہر لال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کروڑوں سناتنی ویدوں کو خدا کا کلام مانتے ہیں مگر لاکھوں سے اوپر جینی ویدوں کو صلواتیں سناتے اور ان کو گپوڑوں سے تعبیر کرتے ہیں مگر ہیں وہ سب ہندو۔ لالہ لاجپت رائے آنجہانی کٹر آریہ سماجی تھے مگر علی الاعلان ویدوں سے منکر تھے۔ تاہم وہ آخر دم تک آریہ سماج اور عام ہندوؤں کے لیڈر بنے رہے۔

آئندہ قائم ہونے والی اشتراکی حکومت یہی کرے گی تاکہ خدا اور مذہب کے خلاف منہ زور آندھی ہو جائے گی سو ایسے لاکھوں باغی ہندوؤں میں موجود ہیں اور ان کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں ہوتی۔ وہ حکومت اتنا ہی کرے گی کہ اباحت مطلقہ کا اعلان کر دے اور عفت وعصمت کے بجائے عورت کو قوم کی مشترک جائیداد قرار دیدے۔ سو آج بھی ہندوؤں میں کوئی ایسا اخلاقی ضابطہ نہیں ہے جس کے تحت عصمت اور پاکدامنی کا کوئی مفہوم متعین کیا جاسکے۔ گویا اشتراکی حکومت کو قبول کرنے کی صلاحیت اگر کسی میں ہوسکتی ہے تو وہ ہندوستان کے ہندو ہیں جن کے نزدیک ان کے ہر فرد کا ہندو ہونا تو ضروری ہے مگر خدا کو ماننا ضروری نہیں ہے۔

اب تصور کیجئے ایسی حکومت کا جو خدا کی منکر ہو۔ مذہب کی دشمن ہو۔ اخلاق کے لئے سم قاتل ہو۔ انسانوں کو قوم و وطن کے دائرہ میں محبوس کرنے والی ہو اور جس کا مذہب اور نصب العین صرف روٹی اور مادی دنیا کی چند روزہ خوشحالی ہو اور پھر ذرا تصور کیجئے اسلام جیسے پاک اور مقدس مذہب کا جس کی بنیاد خدائے تعالیٰ کا وجود ہو۔ جس کی اساس مکافات عمل یعنی آخرۃ کا عقیدہ ہو۔ جس کا ستون مکارم اخلاق اور تزکیہ نفوس ہو اور جو بہمہ وجوہ اس قدر مکمل اور جامع ہو کہ دین اور دنیا کی سعادتیں اس میں جمع ہوگئی ہوں اس پر اشتراکی حکومت کی بدولت کیا گزرے گی۔ اور سوشلزم کا ڈائنامیٹ اس کے مقابلہ میں کیا غضب ڈھائے گا!

لہذا یہ خیال بھی نہ کرنا چاہیے کہ مستقبل کی اشتراکی حکومت میں تمام مذاہب کا حال یکساں ہوگا برباد ہوں گے تو سبھی ہونگے باقی رہیں گے تو سب ہی رہیں گے کیونکہ ہمکو تو آج بھی یہ نظر آرہا ہے کہ اشتراکیت سرعت کے ساتھ ہندوؤں میں سرایت کر رہی ہے مگر ہندو باقی ہیں اور جو مسلمان اس کی لپیٹ میں آتے ہیں ان کا نہ مذہب باقی رہا نہ ان کا عقیدہ۔ ان کو اسلام کے نام سے شرم آنے لگی ہے اور اسلامی صورت اور سیرت کو وہ راہ حریت میں سنگ گراں تصور کرنے لگے ہیں!

کانگریس آیندہ جس حکومت کا خاکہ تیار کرے گی وہ تو جس نوعیت کا ہوگا ہم سب دیکھ لیں گے مگر ابھی سے کانگریس نے اسلامی تہذیب و تمدن۔ اسلامی اخلاق و خصوصیات کے خلاف جو قدم اٹھانا شروع کیا ہے اور جس طرح اسلامی آثار و علائم کو مٹانے کے لئے اس نے تدابیر اختیار کی ہیں اس کا حال ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا جو کانگریس کے لیڈروں کی تقریروں اور تحریروں کا باِمعان نظر مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ جواہرلال نہرو سابق صدر کانگریس نے کتاب "اپنی کہانی" میں اسلامی تہذیب اور نفس اسلام کا جس طرح مذاق اڑایا ہے وہ کتاب مذکور کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جواہرلال کو چھوڑیئے اور ان کانگریسی مسلمانوں کو لیجئے جن کے سر پر جواہر اور دیگر اشتراکی نوجوان پورے طور پر مسلط ہو چکے ہیں۔ یو۔پی۔ بہار اور دہلی میں "شعبہ اسلامیات" کے ایک خاص کارکن نے اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرت کا جس طرح مذاق اڑایا تھا اور اخبارات نے اس پر لے دے کی تھی وہ زیادہ عرصہ کا واقعہ نہیں ہے۔ اپریل ۱۹۳۸ء میں یو۔پی کے وزیر تعلیم سوامی سمپورنانند صاحب نے یو۔پی اسمبلی میں تعلیم کے موضوع پر جو تقریر ارشاد فرمائی تھی اسکا ایک فقرہ یہاں بھی ملاحظہ ہو۔

"ہر وہ شخص جو ہندو یا مسلم تہذیب کے قایم رکھنے اور اسکے مدارس میں جاری کرنے پر زور دیتا ہے وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہونچاتا ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ چیز ہندوستان میں مفقود ہونی چاہئے ... جب ہندو مسلم تہذیبیں مٹ جائیں گی تب ہی ہندوستانی تہذیب زندہ رہ سکے گی" (مدینہ ۲۸ رمضان بحوالہ ترجمان القرآن)

غور فرمایئے۔ اسلامی تہذیب کو مٹانے کا اعلان ایسے وقت میں کیا جا رہا ہے جبکہ آزادی کا پانچ فی صدی حصہ بھی کانگریس کو نہیں ملا ہے اور کانگریسی کارکن اپنی اشتراکیت کا اعلان کرتے ہوئے محتاط رہنا چاہتے ہیں لیکن تصور کیجئے اس وقت کا جبکہ ہندوستان کو آزادی حاصل ہوگی۔ اس کا دستور اساسی اکثریت کے ہاتوں مرتب ہوگا اور کھلم کھلا اشتراکیت کی نہ صرف تبلیغ کی جائے گی بلکہ قوت اور اقتدار کے زور سے اسکو ہندوستان کا سیاسی مذہب قرار دیا جائے گا، اُس وقت یہی حضرات جو غلام ہونے کے باوجود اسلامی تہذیب کو مٹانے کا خیال ظاہر فرما رہے ہیں، اسلام کے خلاف کیا کچھ نہ کرینگے اور "مشترک تہذیب" کو جو اباحت مطلقہ اور تمام بد تہذیبیوں کا سرچشمہ ہوگی کس طرح فروغ دیا جائے گا۔

یاد رہے کہ کانگریس کی اصطلاح میں "مشترک تہذیب" نام ہے صرف روٹی کا جس پر مسلمان کو مسلمان کے مقابلہ پر لاکر کھڑا کیا جائے گا اور آج اس گئے گزرے زمانہ میں مذہب کے نام پر کچھ مسلمان جو ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں ان کو آیندہ روٹی ہرگز جمع نہ ہونے دے گی اور کانگریس کا یہ زبردست کارنامہ ہوگا کہ مسلمان خدا و رسول کے نام پر نہیں۔ قرآن کی عظمت کے لئے نہیں۔ اسلام کے ناموس کے لئے نہیں صرف روٹی کے لئے لاٹھیاں اور چھریاں لے لیکر غیروں کے مقابلہ پر نہیں اپنے ہی بھائی مسلمانوں کے مقابلہ پر نکل کھڑے ہونگے اور جس اسلامی وحدت کو دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی بیخ و بن سے نہ اکھاڑ سکی اسکو کانگریس کی روٹی آن کی آن میں فنا کر دیگی۔

آپ خیال فرمائیں گے کہ شاید ہم کانگریس کی طرف سے حد سے زیادہ بدگمان ہیں اور محض قیاسی باتوں سے نتائج کی عمارت تعمیر کر رہے ہیں مگر نہیں۔ یہ ہماری بدگمانی نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جو ایک نہ ایک روز سامنے آکر رہے گی۔ کانگریس کا نیم سرکاری اخبار "ہندوستان" اپنی تازہ اشاعت میں نہایت فخر کے ساتھ کسانوں کی تنظیم کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ

"اس وقت بعض جماعتیں بلا ہندو مسلم کا سوال اٹھائے اپنی روزمرہ کی مانگوں کے لئے لڑ رہی ہیں جیسے کسان سبھا، مزدور سبھا، تلی سبھا، سینم سبھا وغیرہ لیکن فرقہ پرست مسلمانوں

کے زہریلے پروپیگنڈے کے اثر سے ابھی کچھ لوگ ان سبھاؤں میں جاتے گھبراتے ہیں۔
مسلمان لیڈروں کا یہ کام ہے کہ وہ دیہاتوں دیہاتوں جاتے ہیں وہاں کے مسلمان
کسانوں کو کسان سبھا کے فائدے سمجھا کر اس میں داخل کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کو
سیاسی لڑائی کا مطلب اور کانگریس کی خدمت بھی سمجھاتے ہیں اس طرح مسلمان کو آزادی
کی لڑائی میں کھینچ لاتے ہیں ایک طرف وہ اپنی روٹی کے لئے لڑتا ہے تو دوسری طرف ملک
کی روٹی کے لئے" (مورخہ ۱۲ جون ۳۸ء صفحہ ۲)۔

یہ ہے کانگریس کے نزدیک "آزادی کی لڑائی" کا مطلب کہ ایک مسلمان کو صرف روٹی کے لئے لڑایا جائے گا اور روٹی کے پردہ میں مسلمان کو تلقین کی جائے گی کہ وہ اپنے بھائی کی گردن بلا تامل کاٹ ڈالے اور روٹی کی خاطر خون مومن سے اپنے ہاتھ رنگے! گویا مسلمان جو کبھی اعلاء کلمۃ الحق کے لئے لڑتا تھا۔ حق وانصاف کی خاطر میدان میں نکلتا تھا۔ وہ اب روٹی کی خاطر جنگ کیا کرے گا اور اس مقدس جنگ میں وہ مسلمان اور غیر مسلمان میں کوئی تمیز نہیں کرے گا۔

یہ ہے کانگریس کے نزدیک "مشترک تہذیب" جو ہندو مسلمانوں کی تہذیب کو مٹا کر ایجاد کی جائے گی اور یہ خود کانگریسی بھی سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں کی کوئی مستقل تہذیب نہیں ہے، انکی تہذیب کا مسلمانوں کی تہذیب کے ساتھ نام لینا محض تافیہ بندی ہے اور مقصد صرف مسلمانوں کی تہذیب کا مٹانا ہے۔

یہ ہیں وہ وجوہ و اسباب جو مسلمانوں کو کانگریس کی شرکت سے روکتے ہیں اور ان کو اپنی علیحدہ تنظیم اور اپنی علیحدہ مرکزیت کے قیام کی طرف توجہ دلاتے ہیں ورنہ حریت عمل اور استقلال حیات کا جذبہ مسلمان کا مذہب اور ایمان ہے وہ ہندو سے زیادہ آزادی کی اہمیت کو سمجھتا ہے اسے معلوم ہے کہ بغیر آزادی و فرمانروائی کے اللہ کی شریعت کو قوت و شوکت حاصل نہیں ہوسکتی اور بغیر حکومت کے اسلامی قصر کی کوئی اینٹ بھی اپنی جگہ درست اور ٹھیک نہیں بیٹھ سکتی۔ یہ آزادی کی محبت اور غلامی سے نفرت اول اول اسلام ہی نے دلائی اور اسی نے بتایا کہ انسانی عظمت کا سرچشمہ روح اور جسم کی

آزادی ہے اور وہ مسلمان خدا کی نظر میں مسلمان ہی نہیں جو دوسروں کا غلام اور محکوم بنکر جیئے اور اسی ذلت کی حالت میں مرے مگر سلطنت وحکومت کے باب میں اسکا نظریہ دنیا کے تمام نظریوں سے مختلف ہے، وہ آزادی اس کی نظر میں ایک لعنت ہے جو قومیت اور وطنیت میں محصور ہوکر رہ جائے اور جو انسان کو اخلاق وروحانیت سے بیگانہ کرکے اور مادیت کے جال میں پھنساکر صرف روٹی کی خاطر زندہ رہنے دے۔ ایسی آزادی خواہ انگریز کے ہاتھ سے لے یا ہندو کے ہاتھ سے، مسلمان کے لئے سخت ابتلا ہے اور اسکا فرض ہے کہ آخر دم تک ثابت قدم رہ کر اسکا مقابلہ کرے اور ایمان کو فروخت کرکے ایسی آزادی کے خریدنے کا تصور بھی دماغ میں نہ لائے۔

ایک آزادی وہ ہے جس کا خاکہ کارل مارکس اور انجلز نے تیار کیا، لینن اور اسٹالن نے اس پر عمل کی پٹری جمائی اور روس میں اس کا تجربہ کیا جارہا ہے۔ یعنے خدا سے آزادی۔ یوم آخرۃ سے آزادی۔ مذہب سے آزادی۔ خیر ونیکی سے آزادی یہاں تک کہ اخلاق اور پاکیزہ سیرت سے آزادی۔ اور یہی وہ آزادی ہے جس کو ہندوستان کی اشتراکی جماعت فروغ دینا چاہتی ہے اور سینکڑوں مارکس اور انجلز پیدا کر رہی ہے۔

ایک آزادی، اسلام کی آزادی ہے یعنے انسانوں کے بجائے حکومت الٰہیہ کا قیام۔ نیکی اور بھلائی کی اشاعت۔ عدل وانصاف کا فروغ۔ امن وسلامتی کا قیام۔ مکارم اخلاق کی آبیاری، بدی اور شیطنت کا استیصال اور اس بات کا اعلان کہ

ان الارض یرثھا عبادی الصالحون

صالح اور نیک بندوں کو زمین کا وارث ہونا چاہیے

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی آزادی اور اشتراکی حریت کے درمیان قیامت تک بھی مصالحت نہیں ہوسکتی۔

قومیت اور بین الاقوامیت

(جناب محمد اکرم خاں صاحب مُدیر روزنامہ شمس ملتان)

یہ ایک مُسلّمہ امر ہے کہ دُنیا میں وسیع ترین ہیئت اجتماعیہ کا احساس اور صحیح ترین بین الاقوامیت کا تصوّر صرف اسلام ہی نے پیش کیا ہے۔ یہاں تک کہ دوسرے مذاہب یا اقوام میں جہاں کہیں بھی اس قسم کی کوئی عالمگیر تحریک پیدا ہوئی ہے تو وہ اسلام ہی کے اثرات کا نتیجہ ہے تاریخ عالم کی ورق گردانی کیجائے تو اسلام کے نظامِ اتحاد کا ایک محدود اور دُھندلا سا نقشہ ہمیں صرف ان مسیحی ممالک میں نظر آتا ہے جو صلیبی جنگوں کے زمانے میں عارضی طور پر پیدا ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی مسلمانوں کی متحدہ قوت کی ایک نامکمل نقل تھی جو زیادہ دیر تک قایم نہ رہ سکی۔ اِس کے بعد دَورِ حاضر کا جائزہ لیا جائے، تو صاف نظر آتا ہے کہ مکتی فوج۔ سکاوٹ (روائی۔ ایم سی۔ اے کرسچین ایسوسی ایشن) جیسی تحریکوں سے لے کر مجلس اقوام کی تشکیل تک سب کی تہ میں وہی اِسلامی بین الاقوامیت کا جذبہ کارفرما ہے۔ اِس بات کا نفسیاتی ثبوت کہ یہ جذبہ فی الواقع اسلام ہی کے براہ راست تاثر کا نتیجہ ہے اس امر سے بھی ملتا ہے کہ مغربی زبانوں بالخصوص انگریزی میں کسی مرکزِ اجتماع کا بہترین تصوّر پیش کرنے کے لیے لفظ "مکہ" ہی مستعمل ہے۔ مثلاً کھلاڑیوں کا مکّہ، سیاحوں کا مکّہ وغیرہ۔ لفظ مکّہ کا یہ استعمال اس خیال کی غمازی کرتا ہے کہ اہل مغرب کے نزدیک اسوقت تک کسی اجتماع کی مرکزیت کا بہترین نمونہ اسلام ہی کا بین الاقوامی مرکز ہے۔

مغرب جہاں ایک طرف اسلامی بین الاقوامیت کے نمونے پر اپنی مختلف تحریکوں کو کامیاب بنانے کے لیے بیتاب نظر آتا ہے وہاں دوسری طرف وہ اس کوشش سے بھی کبھی غافل نہیں ہوا کہ کسی نہ کسی طرح مُسلمانوں کی جمیعت کا شیرازہ پریشان کیا جائے۔ چنانچہ قومیت کی جو تحریک یورپ سے نکلی اُس کی سب سے بڑی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ مُسلمانوں کی عالمگیر ہیئت اجتماعیہ کے خود انہی کے ہاتھوں ٹکڑے

ٹکڑے کرادیئے جائیں۔ مصر مصریوں کے لیئے۔ عرب عربوں کے لیئے اور ایران ایرانیوں کے لیئے کہہ کہہ کر اخوت اسلامی کے بجائے وطنیت اور قومیت کے تخیل کو زندہ کیا جائے تاکہ مسلمانوں کا عالمگیر نظام اتحاد الگ الگ ملکوں اور قوموں میں تقسیم ہو جائے اور پھر ان میں سے ہر ملک پر فرداً فرداً قبضہ جمانا آسان ہوجائے۔ یورپ اپنی اس حکمت عملی میں کس قدر کامیاب ہوا! اس کا اندازہ خلافت عثمانیہ سے مصر، عرب، عراق، شام، اور فلسطین کی بغاوت اور علیحدگی سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے وہ بیت المقدس جس کو فتح کرنے کے لیئے یورپ کی تمام قوتیں متحد ہوکر کوشش کرنے کے باوجود بھی ناکام رہی تھیں آخر ایک ہزار سال کے بعد انگریزوں کے ہاتھ آگیا۔ سبب صرف یہی کہ عربوں نے قومیت کے جادو سے مسحور ہوکر ترکوں سے علیحدگی اختیار کی اور اسلام کی ہیئت اجتماعیہ کو توڑکر صرف اپنی قومیت کی تشکیل کو ضروری سمجھا۔

مغرب کے جس سیاسی نظریئے نے عالم اسلام کی جمعیت کو توڑا وہ خود مغربی ممالک میں اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہا۔ وہاں بھی قوم، ملک اور نسل کے جذبات نے اس قدر زور پکڑا ہے کہ انتہائی کوشش کے باوجود وہاں بین الاقوامی تحریکات کا کامیاب ہونا تو درکنار رہا بین الاقوامی معاہدے اور صلحنامے تک محفوظ نہیں رہے۔ گویا اسوقت مغرب کی دنیا جاہ کن راچاہ درپیش کا زندہ نمونہ بن رہی ہے۔ دوسری طرف عالم اسلام میں جذبۂ قومیت کا ردّ عمل ظاہر ہو رہا ہے اور اس سے اسلام کے عالمگیر اتحاد کو خود مسلمانوں کے ہاتھ سے جو نقصان پہنچا ہے اُس پر پشیمانی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ عربی ممالک وحدتِ عربیہ کی تحریک اور ترکی، ایران، عراق اور افغانستان کے باہمی اتحاد کی کوشش اسی تلافیٔ مافات کے جذبہ کی آئینہ دار ہے۔ یہ صورت حال بہ حیثیت مجموعی اُمید افزا ہے البتہ اتنی کسر باقی ہے کہ ابھی تک یہ تنظیم صرف سیاسی اصولوں پر یکجا رہی ہے اور اسکی بنیاد خالصتہً اسلامی بنیادوں پر نہیں ہے لیکن رفتارِ واقعات بتارہی ہے کہ وہ وقت دُور نہیں جب مسلمانوں کو سیاسی اتحاد کی خامی محسوس ہوگی اور وہ پھر اسلام کے دینی نظامِ اخوت کیطرف لوٹنے پر مجبور ہونگے۔

سوال کیا جاسکتا ہے کہ آخر سیاسی عالمگیر اتحاد اور اسلام کے دینی نظامِ اخوت میں کیا فرق ہے؟ اس کے جواب کے لیے زیادہ تفصیلات میں جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ صرف اسی بات سے اس فرق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مغرب کی طرف سے سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی بنیادوں پر جس قدر بھی عالمگیر تحریکیں شروع کی گئی ہیں ابھی تک وہ کامیابی کا مُنہ نہیں دیکھ سکیں۔ اس کے برعکس اسلام کے دینی نظامِ اخوت کا یہ عالم ہے کہ اسلامی خلافت کے التوا اور سیاسی اقتدار کے ضعف کے باوجود ہیئتِ اجتماعیہ کے باقی نہ رہنے اور مرکزیت کے ٹوٹ جانے پر بھی ابھی تک دُنیائے اسلام کی رگوں میں اخوت کا خون دَوڑ رہا ہے۔

مُسلمانوں کی بین الاقوامیت کی رُوح پر صرف مغرب ہی کی طرف سے حملہ نہیں ہوا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دُنیا کی کوئی غیر قوم بھی مُسلمانوں کی اس خصوصیت کو ٹھنڈے دل سے نہیں دیکھ سکتی۔ اس کی زندہ مثال خود ہندوستان میں موجود ہے، جہاں ہندوؤں میں خود تو اتحاد و تنظیم کی زبردست مذہبی اور سیاسی تحریکیں جاری ہیں۔ لیکن اُن کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی یہ کوششیں بھی ہو رہی ہیں کہ مسلمانوں کو بین الاقوامی جذبے سے عاری کرکے اُنہیں ہندوستانی قومیت کے اندر محدود کر دیا جائے۔ ہندو مہا سبھا کے خیالات تو خیر چنداں درخورِ اعتنا نہیں لیکن کانگرس کے بڑے بڑے رہنماؤں کے خطرناک ارادے ضرور قابلِ توجہ ہیں خصوصاً اس لیے کہ بدقسمتی سے ان کو خود مُسلمانوں میں سے بعض ایسے اکابر کی ہم خیالی حاصل ہوگئی ہے جن کی بُلند پایہ اور واجب الاحترام شخصیتوں سے ناجائز فائدہ اُٹھایا جارہا ہے اور عوام پر غلط اثرات ڈال کر ان کو جادۂ مستقیم سے ہٹایا جارہا ہے۔

کانگرس کے بطلِ عظیم پنڈت جواہرلال نہرو جی نے اپنی سوانحعمری میں مختلف مقامات پر نہایت معصومانہ انداز میں اس تعجب کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان کے مُسلمان اپنے وطن کو نظرانداز کرکے بیرونی ممالک کی طرف کیوں متوجہ رہتے ہیں اور ہندوستان کی سیاسی اور اقتصادی بہبود کے خیالات کو چھوڑ کر وہ اسلامی مُلکوں سے مذہبی تعلقات قایم رکھنے کے لیے کیوں بیتاب رہتے ہیں ہم تو یقین نہیں کرسکتے کہ پنڈت جی اسلام کے عالمگیر اتحاد کی حقیقت سے ناآشنا ہیں یا اسلام کے نظام

اخوت سے بے خبر۔ لہٰذا ہمیں یہی خیال کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ پنڈت جی اس نظام کی خوبیوں اور خصوصیتوں کو سمجھتے ہوئے مسلمانوں کے بین الاقوامی جذبہ پر ضرب لگانا چاہتے ہیں +

خاص طور پر ارباب کانگرس کے لئے اسلام کی بین الاقوامی حیثیت کو سمجھنا چنداں مشکل نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ خود اسی نمونے کے ایک محدود سے نظام کے علمبردار ہیں۔ اسوقت ہندوستان میں نیشنل کانگرس یقیناً سب سے بڑی سیاسی جماعت ہے اور آئین جدید کے ماتحت اس کا نظام اکثر صوبوں پر حاوی ہوگیا ہے۔ جن صوبوں میں کانگرسی وزارتیں قایم ہیں وہ سب آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے زیر ہدایت کام کرتی ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان ایک براعظم کی سی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے اکثر صوبے دنیا کے بہت سے آزاد ملکوں کے برابر ہیں۔ اگر بالفرض آج ہر ایک صوبہ بالکل خود مختار ہو جائے۔ ہر صوبے کی وزارت اپنی تمام توجہ صرف اپنے صوبے تک محدود کردے اور آل انڈیا کانگرس سے قطع تعلق کرے تو پھر آل انڈیا کانگرس کی کیا حیثیت باقی رہ سکتی ہے۔ پنجاب پنجابیوں کے لئے۔ مدراس مدراسیوں کے لئے اور بنگال بنگالیوں کے لئے ہو جائے، اور ہر صوبے میں صرف اپنے صوبے سے محبت رکھنے والوں کو تو قوم پرست کہا جائے، لیکن جو بھی ذرا وسعت نظر سے کام لیکر دوسرے ہمسایہ صوبوں کے ساتھ رابطہ قایم رکھنے کا خیال ظاہر کرے اُسے وطن دشمنی اور غداری کا تمغہ دے دیا جائے، معلوم نہیں ایسی صورت حالات کو پنڈت جواہر لال نہرو کس نظر سے دیکھیں گے کیونکہ اس صورت میں آل انڈیا کانگرس کا تو وجود ہی بالکل بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے، اسی مثال سے مسلمانوں کی بین الاقوامی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جس طرح کانگرس کو کسی ایک صوبے سے وابستہ کردینا مضحکہ خیز ہوگا۔ اسی طرح مسلمانوں کو کسی ایک ملک سے وابستہ سمجھ لینا روح اسلام کے منافی ہے۔ اگر ہر ملک کے مسلمان اپنی نگاہیں اُسی ملک کی جغرافیائی حدود کے اندر محدود کردیں تو اسلام کا عالمگیر نظام قایم نہیں رہ سکتا۔+

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہندو بھی بین الاقوامیت کی خوبیوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اگر انکے بس میں ہو تو وہ خود بھی اس سے بہرہ اندوز ہونے کی کوشش کریں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ نہ اُنکا مذہب

انہیں کوئی ایسا عالمگیر نظام عطا کرتا ہے نہ اُن کو بین الاقوامی سیاست میں کوئی حیثیت حاصل ہے اور نہ جغرافیائی لحاظ سے اُنکے لیے کسی ایسے نظام سے وابستہ ہونے کا امکان ہے اس کے باوجود بھی بین الاقوامیت کے لیے اُن کی حسرت آمیز بیتابی وقتاً فوقتاً ظاہر ہو ہی جاتی ہے. کبھی نیپال کے مہاراجہ کو اُٹھانے کی کوشش کبھی جاپان سے متحدہ مذہب کی بنا پر تعلق پیدا کرنے کی خواہش کبھی چین سے ثقافتی تعلقات کی آرزو۔ کبھی جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں سے ہمدردی. اور کبھی زنجبار کے ہندوستانی تاجروں کی حمایت. کبھی فجی کے ہندوستانی آبادکاروں کے لیے پروپاگنڈا. کبھی حبش اور ہسپانیہ کے ساتھ اظہار ہمدردی کی قرارداد اور کبھی فلسطین کے عربوں کی مطالبات کی تائید، یہ سب کچھ کیا ہے؟ فقط اُس بین الاقوامی احساس کا ظہور جس کی حسرت تو دلوں میں موجود ہے. لیکن جسکے لیے کوئی پختہ بُنیاد نہیں پائی جاتی ۔ جہاں ہم مذہبی کا دعویٰ کیا جاتا ہے. وہاں مذہب میں نظامِ اُخوت موجود نہیں. جہاں سیاسی تعلقات کو اُستوار کرنے کی کوشش کیجاتی ہے. وہاں ایک ہنگامی ہم خیالی سے زیادہ اور کوئی بُنیاد نہیں ہوتی لے دے کے صرف انہی ہندوستانیوں کا مسئلہ رہ جاتا ہے. جو برطانوی نوآبادیوں میں جاکر آباد ہوچکے ہیں لیکن چونکہ خود ہندوستان کو ابھی سیاسی دُنیا میں کوئی قایم بالذات حیثیت حاصل نہیں ہے اس لیے نوآبادیوں میں ہندوستانیوں کا مسئلہ بھی ہندوستان سے زیادہ برطانیہ کا ایک استعماری مسئلہ بنکر رہ جاتا ہے.

ان باتوں سے ظاہر ہے کہ ہندوؤں میں اگر بین الاقوامیت کا جذبہ مفقود ہے اور عملی طور پر ان کی قومیت اور وطن پرستی کے دائرے سے باہر نہیں جاتی تو وہ اس لیے نہیں کہ وہ قومیت کو بین الاقوامیت سے بہتر سمجھتے ہیں. بلکہ محض اس لیے کہ وہ ہر لحاظ سے اسی تنگ دائرے کے اندر رہنے پر مجبور ہیں. افسوس تو اُن مسلمانوں پر آتا ہے جو حقیقت حال پر نظر نہ کرتے ہوئے محض برادران وطن کی قوم پرستی اور وطن دوستی کی دیکھا دیکھی اسلامی بین الاقوامیت سے بیزاری کو منتہائے سیاست دانی سمجھنے لگ جاتے ہیں حالانکہ ذرا وسعت نظر سے کام لیا جائے، تو نہ اسلامی بین الاقوامیت مسلمانان ہند،

کی وطن دوستی کے منافی ہو سکتی ہے اور نہ قوم پروری بین الاقوامیت کے خلاف جا سکتی ہے بشرطیکہ وطن دوستی ہو وطن پرستی نہ ہو اور قوم پروری ہو قوم پرستی نہ ہو کیونکہ پرستش اسلام میں خداوند تعالےٰ کی ذات کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی +

جہاں تک ہندوستان کی آزادی کا تعلق ہے سو یہ ہندوؤں کے لیے تو محض ایک قومی مسئلہ ہے لیکن مسلمانوں کے لیے بین الاقوامی مسئلہ۔ اس لیے حصول آزادی کی جدوجہد میں مسلمانوں کو کسی طرح بھی ہندوؤں سے پیچھے نہیں رہنا چاہیئے۔ ضرورت صرف اس احتیاط کی ہے کہ برادران وطن کی محدود اغراض کو دیکھتے ہوئے، اپنے وسیع مقاصد کو بھی محدود نہ کر دیا جائے، حصول آزادی کے لیے مسلمانانِ ہند کا ہندوؤں کے ساتھ اتحاد و اشتراکِ عمل بھی ضروری ہے لیکن یہ خیال رہنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی بین الاقوامیت کو کسی طرح صدمہ نہ پہنچنے پائے، اور اندرون ملک میں ان کی اپنی اجتماعیت اور مرکزیت فنا نہ ہو جائے۔ اگر وسیع تر نظام سے کٹ کر ایک محدود دائرے میں کامل آزادی بھی حاصل ہو جائے، اور وہ بھی انفرادی طور پر نہ کہ اجتماعی انداز میں بحیثیت ملت اسلامیہ۔ تو یہ آزادی مسلمانوں کے شایان شان نہیں ہو سکتی لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ مسلمان حصول آزادی کی جدوجہد میں سرگرم نہ رہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ مسلمان ہندوؤں سے بھی کہیں زیادہ جوشِ عمل دکھائیں کیونکہ اس آزادی سے ہندوؤں کی تو محض ایک محدود قومی اور وطنی غرض وابستہ ہے لیکن مسلمانوں کی ان سے بڑھ کر بین الاقوامی کشمکش میں اس آزادی کی اشد ضرورت ہے +

ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

(جناب سید الطاف حسین صاحب بخاری جہانی ایم اے اسسٹنٹ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ)

ہماری زندگی ایک معمہ ہے۔ ہماری ابتدا و انتہا کی کیفیت۔ ہماری تخلیق کا مقصد ہماری آرزوؤں کا منتہی اور ہماری کوششوں کی غرض و غایت سب کی سب باتیں ایک رازِ سربستہ ہیں جس کی عقدہ کشائی میں عقل و خرد کے ناخن متعدد بار ناکام رہ چکے ہیں۔ ہر ایک شخص نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اس معمے کا کوئی نہ کوئی حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ہر ایک نے زندگی کے پیچ در پیچ مسائل پر مختلف زوایا سے روشنی ڈال کر اُسکے مختلف پہلوؤں کو روشن کیا ہے۔ معمۂ حیات گویا ایک طویل و عریض ظلمت کدہ ہے جس کی تاریکیوں کو مختلف الخیال فلاسفہ کے ظنون و اوہام کی بازی گاہ تصور کرنا چاہیئے۔ عام آدمی خوش قسمتی یا بدقسمتی سے اس قابل نہیں کہ اسرارِ حیات کا ادراک کر سکیں لہٰذا فطرت کبھی کبھی ایک آدھ دیدہ ور ایسا پیدا کر دیتی ہے جو اُسکے اشاروں کو سمجھ سکے اور اُسکے رموز سے آشنا ہو کر اور لوگوں کو بھی ہدایت دے۔ فطرت کے اِن برگزیدہ اصحابِ نظر کی ایک مابہ الامتیاز صفت یہ ہے کہ وہ عالمِ محسوسات میں چند غیر مرئی حقیقتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو عام لوگوں کی نظر سے مخفی ہوتی ہیں یا جنسے اکثر قطعی طور پر ناواقف ہوتے ہیں۔ اقبالؒ ان مخصوص دیدہ ور اصحاب کی جماعت میں نہایت ممتاز مقام پر متمکن ہے۔ اِس کی نگاہیں ابتدا ہی سے اس حقیقتِ اشیاء کی متلاشی ہیں جسے وہ اپنی محبوبہ خیال کرتا ہے اس کی جستجو اُسے آوارہ و پریشان رکھتی ہے اور ابتدا میں اس خیال سے اُس کا دل نہایت پژمردہ رہتا ہے کہ وہ اس کے جمال کی نظارگی سے شاید کبھی بہرہ ور ہو گا اور وہ اپنے دل کی حالت کو ان الفاظ میں بیان

جھلک اُسے فطرت کے نقاب رنگ و بو میں سے پیشتر ازیں معمولی طور پر دکھائی دیا کرتی تھی اب اُسے اپنی رگ رگ میں ظاہر و باہر نظر آنے لگتی ہے اور وہ ارتقاءِ انسانی کی اس انتہائی منزل تک پہنچ جاتا ہے جہاں حقایق آشنا نگاہیں حسنِ ازل کے نظارہ سے ایک لحہ تک کے لیے بھی جُدا نہیں ہوتیں، کبھی اُس کا یہ حال تھا کہ "میں ابھی تک ہوں اسیرِ رنگ و بو" اور اب اس کا

شوق مری لَے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
نغمۂ اَللہ ھُو میری رگ پے میں ہے!

وہ حقیقتِ اشیاء جس تک پہنچنا فلاسفہ کے نزدیک حیاتِ انسانی کی ارتقائی رو کا انتہائی مقصد ہے، وہ اقبال کے نزدیک عقل و خرد کی افزائش نہیں بلکہ محض تنویرِ دل سے حاصل ہو سکتی ہے وہ عقل و خرد کے پُر پیچ راستوں کی فریب ہی سے بخوبی واقف ہے اور لوگوں کو بار بار اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ دلِ زندہ کی معجز نمائی کے روبرو عقل بالکل بے بس و بے اختیار ہے، عقل کی مذمت جو برگساں کے فلسفہ کا جزوِ اعظم ہے۔ اقبال کے کلام میں بھی اکثر مقامات محض اسکے لیے وقف نظر آتے ہیں:۔

عقل گو آستاں سے دُور نہیں۔ اسکی تقدیر میں حضور نہیں
دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب۔ آنکھ کا نُور دل کا نور نہیں

تنویرِ دل ایک وجدانی کیفیت ہے جسے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ اقبال کے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنے آپ سے آگاہ ہو۔ یہی سبب ہے کہ اُنکے ہر شعر میں خودی کا سبق موجود ہے اور چونکہ اقبال کی نگاہ میں خودی اور ایمان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں وہ صحیح مومن کی زندگی کو نظارۂ حقیقت اور مادیت کی بے پناہ طاقتوں کو تابع فرمان کرنے کا واحد اور قطعی ذریعہ سمجھتا ہے ؎

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُسکے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اقبال کا کلام مادہ پرست دُنیا کے لیے روحانیت کا پیغام ہے جس سے بار بار اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ عرصۂ حیات کی لامتناہی وسعتوں میں مادی زندگی کو وہی حیثیت حاصل ہے جو نا چیز قطرۂ آب کو بحرِ بے پایاں میں، انسان کو اسی لیے اتنا تنگ نظر نہ ہونا چاہیئے کہ کنویں کے مینڈک کی طرح اُس کی نگاہیں ہر وقت مادے کی چار دیواری ہی میں محدود رہیں اگر وہ اپنی قوتِ مشاہدہ اور فکر و تدبر سے ذرہ بھر بھی کام لے تو اُس پر واضح ہو جائے گا کہ زندگی کا ایک بہتا ہوا دریا ہے جس کی روانی کے مختلف ارتقائی سطوح ہیں اور جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہر نئی سطح پر اپنے اندر نت نئے صدف اور نئے گوہر پیدا کرتا چلا جائے۔ جمادات سے لے کر انسان تک جو مرحلے دریائے حیات نے طے کر لیے ہیں۔ اُن سے اُس میں ایک گوہر بے بہا پیدا ہو چکا ہے اور وہ صفتِ آگہی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی قوتوں کی بدولت اپنے ماحول پر محض غالب ہی نہیں بلکہ اپنی قوتوں اور اپنے غلبے کے احساس سے بھی متصف ہے۔ اگر زندگی کی ارتقائی رو کو اِس نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ بات قرینِ قیاس معلوم ہو گی۔ جہاں آج تک اِس سے انسان میں اپنی مادی قوتوں کا احساس پیدا ہوا ہے وہاں یقیناً کچھ منازل ایسی بھی ہیں جہاں انسان میں صفتِ آگہی سے لطیف تر صفات نمودار ہونگی اور وہ اپنی اُن طاقتوں سے بھی آگاہ ہو گا جو بلحاظ لطافت مادی قوتوں سے کئی گُنا افضل و اعلیٰ تر ہیں۔ دانا لوگوں نے انہیں "روحانیت" کے مُختصر نام سے موسوم کیا ہے' خود انسانی زندگی میں اِس بات کا ثبوت ملتا ہے جوں جوں انسان کے دل و دماغ پرورش پاتے ہیں اُسکی نگاہیں مادے کے انفرادی کرشموں سے ہٹ ہٹ کر ان لطیف حقایق کیطرف منتقل ہونے لگتی ہیں جو مادی کرشموں کی توجیہ ہونے کے علاوہ اُنکے لیے جامع اشتتات کا کام بھی دیں۔ مثلاً اکثر لوگ تو محض گرتے ہوئے سیبوں اور ٹوٹتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہیں اور ان میں کوئی نسبت خیال نہیں کرتے مگر ان کی قوت متخیلہ جب عام سطح سے ذرا اونچی ہو جاتی ہے تو بحرِ حیات میں سے ایک آدھ نیوٹن سا گوہرِ بے بہا ایسا نکل آتا ہے جو اپنی دیدہ وری کے طفیل دُنیا بھر کی گرتی ہوئی چیزوں

کے پس پشت قوت کشش کو کارفرما دیکھ کر دنیا پر اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ وہ تمام کرشمے جو بظاہر بے تعلق معلوم ہوتے تھے دراصل ایک ہی رشتہ میں منسلک ہیں +

یہ محض اتفاقی امر ہے کہ دیدہ وروں کی جماعت میں سے میں نے نیوٹن کی مثال پیش کی ورنہ اس سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اصحاب نظر محض دنیائے سائنس کے لیے ہی مخصوص ہیں اور نہ ہی میری اس سے یہ مراد ہے کہ علوم سائنس کو دیدہ دری سے کچھ خاص تعلق ہے جو اور علوم کو نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ایسے لوگ ہر شعبۂ علم میں کم و بیش پائے جاتے ہیں اور علم و ادب کے طبقہ میں ان اصحاب کو عام طور پر شعراء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حقیقی شاعر کی اختراعی نگاہیں محسوسات کے پردوں کو چاک کر کے حقائق حسن وعشق تک پہنچ جاتی ہیں اور وہ دنیا کو اس بات سے آگاہ کر دیتا ہے کہ فطرت کی دلفریبیوں کی نمو محض ان حقایق کے وجود سے ہے اور اگرچہ عام نگاہیں ان حقایق سے ناآشنا ہیں تاہم اگر تھوڑا بہت غور و فکر کرے تو اُسے حقیقت کا نظارۂ کامل نہ سہی ایک آدھ جھلک تو ضرور ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ دنیائے ادب میں شاعر کو وہی حیثیت حاصل ہے جو سائنسدان کو عالم سائنس میں، جس طرح صاحب نظر سائنس دان کی نگاہیں گرتے ہوئے سیبوں اور ٹوٹتے ہوئے ستاروں سے ہٹ کر قوت کشش کیطرف منتقل ہوتی ہیں جس کی وحدت میں ان کرشموں کی کثرت کا راز ہے اسی طرح حقیقی شاعر کی نگاہیں بھی گلشن فطرت کے حسین نظاروں سے کنارہ کش ہو کر حقیقی حسن وعشق کیطرف ملتفت ہوتی ہیں جنکے رشتۂ واحد میں مختلف دلفریب مناظر اس طرح منسلک ہیں جیسے ایک شاخ میں متعدد پھول + عام آدمی گرتے ہوئے سیب کو دیکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ اُسنے محض ایک چیز کو بلندی سے پستی کی طرف آتے دیکھا مگر سائنسدان کی باریک بیں نگاہیں اس معمولی واقعہ میں قوت کشش کو مصروف کار دیکھتی ہیں اسی طرح ایک معمولی دیکھنے والا شگفتہ پھول کو دیکھ کر یہ خیال کرتا ہے کہ وہ محض چند رنگین پتیوں کے مجموعہ کا مشاہدہ کر رہا ہے مگر بخلاف اس کے شاعر کی دُور بیں نگاہیں اس پھول کے کرشمۂ رنگ و بو کے پس پشت

جہانِ عشق آباد دیکھتی ہیں یعنی گرتا ہوا سیب اگر سائنس دان کی نگاہوں میں کشش کی ہمہ گیر قوت کا ایک معمولی مظاہرہ ہے تو رنگین پھول شاعر کی نگاہوں میں قوتِ عشق کی معجز نمائی کا ادنےٰ کرشمہ ہے

ریاضِ ہستی کے ذرّے ذرّے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا

ظاہر ہے کہ زندگی کی ارتقائی منزل میں انسان اپنی قوت متخیلہ کی پختگی کے سہارے مادّے کی چاردیواری کے طلسم کو توڑ کر ان حقائق کی دید میں کامیاب ہو جاتا ہے جو مادّی کرشموں اور مادّی زندگی کی طرح کثیف اور آنی و فانی نہیں۔ بلکہ لطیف اور ابد الآباد تک رہنے والی ہیں۔ مگر ایسی ہستیاں جنہیں زندگی کے لشکر جرار کی شاندار فتوحات تصور کرنا چاہیئے کبھی کبھار پیدا ہوتی ہیں۔ عام آدمی تو زندگی کی نشیبی سطح پر بسر اوقات کرتے ہیں مگر ان کا مسکن اس کی بلند ترین منازل پر ہوتا ہے جن کی رفعتوں سے وہ کرشمہ ہائے عالم کی نیرنگیوں کو مسکراتی دیکھ کر بنی نوع انسان کو شاہراہ حقیقت کی ہدایت کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا مثالوں سے واضح ہے کہ انسانی قوتیں عروج یافتہ ہو کر محسوسات کی قیود سے نکل کر حقائقِ لطیفہ کے نظاروں میں محو ہونے لگتی ہے یا بہ الفاظ دیگر زندگی کی ارتقائی رو کا میلان کثافت سے لطافت کیطرف ہے۔ ابتدا میں انسان محض مادے کے کرشموں سے آگاہ ہوتا ہے اور انکو ایک دوسرے سے الگ اور بے تعلق سمجھتا ہے۔ اس سے اگلی منزل میں جو دیدہ ور ماہرین فلسفہ و شعر و سائنس کا مقام ہے انسان ان لطیف اصولوں یا حقیقتوں کا ادراک کرتا ہے جن میں سے ہر ایک کے تحت مادی زندگی کے لاتعداد منتشر کرشمے اس طرح یکجا کیئے جا سکتے ہیں جیسے رنگارنگ کے موتی ایک ہی لڑی میں۔

انسانی تہذیب و تمدن کی تاریخ ان منازل کے وجود کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ لہٰذا ان کو دیکھتے ہوئے اور ان سے زندگی کی ارتقائی رو کے میدان کا مشاہدہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ

نکالنا بے موقع اور بے محل نہ ہوگا کہ ان سے آگے ایسی منزلیں بھی زندگی کے لا متناہی سفر کا حصّہ ہیں جہاں وہ لطیف سے لطیف تر حقایق چشمِ انسان پر جلوہ گر ہوتے ہیں جن کا محاصرہ پہلی منزل کے حقایق سے یقیناً بہت زیادہ وسیع اور بسیط ہے۔ اس صداقت کو اگر ذہن نشین کر لیا جائے تو یہ بعید از قیاس معلوم نہ ہوگا کہ زندگی کی جولانگاہ میں ایسی منازل بھی موجود ہیں جو دیدہ ور شعرا اور صاحبِ نظر سائنس دانوں کی منازل سے بالا تر ہیں جہاں انسان پر ایسی حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں جو علمی و شعری حقایق سے بہت زیادہ لطیف ہیں جن کا محاصرہ علمی و شعری حقایق کی طرح محدود و مخصوص کرشموں پر نہیں بلکہ تمام کائنات عالم پر ہے۔ مذہب نے ان لطیف ترین حقایق کو حقیقتِ اشیاء کے نام سے تعبیر کر کے اُن منازل کو جہاں پہنچکر یہ حقیقت انسان سے بے نقاب ہوتی ہے۔ خدا شناس حضرات کی مخصوص ملکیت قرار دیا ہے۔ اس حقیقت تک پہنچنا گویا عروج انسانی کا کمال ہے اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس گوہرِ مراد کو پا لیا۔ اس متاعِ بے بہا کا حصول ہدایتِ آسمانی کی روشنی اور اتباعِ نبوت کے بغیر کسی طرح ممکن نہیں خدا رسیدہ حضرات کی زندگی سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ حقیقت "دیکھنے کی چیز ہے، سمجھنے کی نہیں" اور اس کا تعلق ذہنی ادراک سے نہیں بلکہ "مُشاہدہ" سے ہے۔ قرآن کریم نے ایمان بالغیب کے فلسفہ میں انسانی عقل و ادراک کی کمزوری و نارسائی کا اعلان کرتے ہوئے اس بات کی شہادت دی ہے کہ خدا شناسی ذہنی و ادراکی کیفیت کا نام نہیں، روحانی مشاہدے کی تفسیر ہے، مُریدِ ہندی پیرِ رومی سے اسی سلسلہ میں استفسار کرتے ہیں کہ انسانی ارتقا کا مقصد و منتہیٰ کیا ہے علمِ حقیقت یا دیدارِ حقیقت؟

خاک تیرے نور سے روشن بصر
غایتِ آدم خبر ہے یا نظر؟

جواب میں ارشاد ہوتا ہے ؎

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دیدِ دوست است

اقبال کا دعویٰ ہے کہ یہ نظر انسان میں محض خودی کی نمود سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس حقیقت کو اُس نے متعدد اشعار میں ظاہر کیا ہے، زندگی کی جولانگاہ اُس کی نگاہوں میں تقویم خودی کی مختلف منازل کا نام ہے اور ہماری زندگی ان منازل کا آغاز

خودی کی ہے یہ منزلِ اولیں مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاکداں سے نہیں جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر طلسم زمان و مکاں توڑ کر

جو انسان خودی سے آگاہ ہو وہ لمحہ بھر کے لیے بھی اِس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوتا کہ وہ ارتقائی منازل جن کا عبور اُسے درپیش ہے اُن کی امتدادی وسعتوں کے مقابلہ میں انسانی زندگی نمود شرکی حثیت بھی نہیں رکھتی۔ اُس کی نگاہیں اپنی موجودہ منزل کے علاوہ آئندہ مراحل پر بھی لگی رہتی ہیں اور وہ وقتِ حاضر کی قیود کے باوجود ابدیت سے ہمکنار رہتا ہے۔ ایسے انسان کی نگاہوں میں موت ایک تغیرِ محض کے سوا اور کچھ نہیں جس کی بدولت زندگی جامۂ کثافت اُتار پھینکتی ہے اور وہ اس تغیر سے خائف ہونے کی بجائے گونا مسرت حاصل کرتا ہے کہ اُس کی خودی جسم خاکی کی کثافت سے آزاد ہو کر اور اپنی قسم کے لطیف ماحول میں زندگی بسر کر کے اپنی نمود کے فرائض بہترین طور پر سر انجام دے سکے گی اور اس طرح وہ اس حقیقت اشیاء تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا جسے زندگی کی ارتقائی رو کا انتہائی مقصد خیال کیا جائے گا۔ اور جسکے حصول کا راز بقول اقبال انسان کی اپنی ذات کی نمود میں مستتر ہے۔ ایسے انسان کے لیے موت گویا ایک راستہ ہے جو اُسے اُسکے محبوب و مقصود تک لے جاتا ہے اگر آدمی واقعی اپنی خودی سے آگاہ ہے یعنی اُسے اپنے مقصود سے محبت ہے اور وہ اُس تک پہنچنے کے لیے بیقرار ہے تو موت یقیناً اُس کی ثابت قدمی میں تزلزل پیدا نہ کر سکے گی اور وہ اُس سے لرزاں و

د ترساں ہونے کی بجائے اُسے خوش آمدید کہے گا۔

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقامِ حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحانِ ثبات

یہی ایک حقیقت ہے جو انسان کو اپنے آپ سے اور خدا سے آگاہ کرتی ہے اور انسان کو لازمانی و لامکانی کی تعلیم دے کر اُسکے دل و دماغ کو توسیع بخشتی ہے جس کی بدولت وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ حیات سے حقیقی طور پر لطف اندوز ہو سکے اور اُسکے ساتھ ساتھ اس طریق پر بھی گامزن رہے۔ جس کا اتباع عین ہدایت کا موجب اور جس سے انحراف ضلالت کی دلیل ہے؟

اقبال وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنی فلسفیانہ شاعری میں اس راز کو فاش کیا اسکا کلام انسانی تاریخ میں ایک عالمگیر انقلاب کی حیثیت رکھتا ہے جسکے اثرات ابھی بہت کچھ پردۂ وقت میں مستور ہیں۔ اُس کی آواز سے نوجوانوں کے دلوں میں ایک نئی دُنیا رونما ہو رہی ہے جس کا پرتو ابھی اُنکے افکار و اعمال پر بہت ہلکا نظر آتا ہے۔ مگر جسکے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ رفتہ رفتہ نمایاں اور نمایاں تر ہوتا چلا جائے گا۔ اقبال کا پیغام اسرارِ حیات کی تفسیر ہے۔ جس سے ہر ایک دل اپنے اندر ایک نیا ولولۂ زندگی محسوس کرتا ہے، وہ بھید جس کو اس دانائے راز نے فاش کیا اُسکے انکشاف پر فطرتِ انسانی تا ابد ناز کرے گی اُسکے گنجینۂ سخن کے آبدار موتی فطرت کے رُخِ زیبا پر صبح کے پاکیزہ ستاروں کی مانند منور ہیں اور اُن سے اُس کو وہی زینت نصیب ہے جو حسین پھولوں کو قطراتِ شبنم سے۔ تاریخِ عالم ایسے دیدہ وروں کی مثالیں بہت کم پیش کرتی ہے۔ زندگی کی جوئے رواں کروڑوں کروٹیں لینے کے بعد ایسا گوہرِ شاہوار پیدا کرے تو کرے ورنہ زمانہ شاہد ہے کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

گفتگوئے مصالحت

قرآنی روشنی میں!

(رازی)

یوں تو ہندوستان میں ہندو اور مسلمان آٹھ نو سو سال سے اکٹھے رہتے چلے آرہے ہیں لیکن باینہمہ قرب و اختلاط برادرانِ وطن جس قدر مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کی اساس سے بیگانہ ان کے ذہنی احساسات اور قلبی رجحانات کے سرچشمہ سے ناآشنا اور اُنکے مذہب کے بنیادی اصولوں سے بے خبر ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ان سے اس قدر غیریت اور اجنبیت برتی ہے۔ اس وقت ہمیں ان اسباب و علل سے بحث نہیں جو اس بیگانگی اور ناواقفیت کا موجب ہیں لیکن موجودہ دورِ سیاست میں اس کی وجہ سے جو مشکلات پیش آرہی ہیں انھوں نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ ہم کھلے کھلے الفاظ میں بیان کردیں کہ آج بہت سی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں اس وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں کہ ہندو رُوحِ اسلام سے قطعاً ناآشنا ہے۔ عوام الناس کو تو چھوڑیے اس قوم کے ممتاز اکابر کی یہ کیفیت ہے کہ وہ ہیگل اور نٹشے کے فلسفہ کی باریکیاں جانتے ہیں۔ وہ مارکس اور لینن کے نظریات کے ماہر ہیں۔ وہ روما اور یونان کے عروج وزوال کے اسباب سے باخبر ہیں لیکن وہ مسلمانوں کے متعلق صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ ان کو اگر ذبح بقر کی اجازت دیدی جائے۔ مساجد کے سامنے باجہ بجانا روک دیا جائے۔ اور ان کا "ٹوپی دار لوٹا" ان سے نہ چھینا جائے تو اُنکے مذہب و تمدن۔ تہذیب اور کلچر کی پوری پوری نگہداشت ہو جاتی ہے۔ اور جب کوئی مسلمان اس سے ذرا آگے کسی اور چیز کے تحفظِ حقوق کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ فوراً لکھ اُٹھتے ہیں کہ دیکھو میاں! یہ سیاسی معاملہ ہے اسے مذہب

بپتسمہ دے کر خواہ مخواہ "فرقہ وارانہ" مسئلہ کیوں بناتے ہو! یہ ایک بنیادی غلطی یا غلط فہمی ہے جس کی بنا پر آج تک ہندو مسلم اختلافی مسائل کا کوئی حل تجویز نہیں ہو سکا۔ اور ہم پورے ایقان و بصیرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ جب تک اس بنیادی غلطی کو دُور نہ کیا جائے گا۔ اس مسئلہ کا کوئی محکم، دیرپا اور استوار تصفیہ نہیں ہو سکے گا۔ حقائق سے چشم پوشی کر لینے سے اختلافات نہیں مٹا کرتے۔ جو ایسا سمجھتے ہیں وہ خود بھی دہوکے میں رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی دہوکے میں رکھتے ہیں۔ اور یہی دہوکا ہے جو انسان کو کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنے نہیں دیتا۔ اس لیے کہ جب کسی اختلافی مسئلہ کو فریقین دو مختلف اور متضاد زوایائے نگاہ سے دیکھیں تو وہ کس طرح کسی ایک فیصلہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ ہندو ایک معاملہ کو پیش کرتا ہے تو اسکے سامنے سیاسی منافع، ملکی مصالح، قومی رجحانات۔ وطنی جاذبیتیں ہوتی ہیں وہ اس معاملہ کو انہی میزانوں میں تولتا ہے اور بازار کی گرمی اور سردی کے پیش نظر اپنی قیمتوں میں تغیر و تبدل بھی کر لیتا ہے۔ مبادلہ و معاوضہ کی شرح میں بھی کمی بیشی روا رکھ سکتا ہے۔ لیکن فریق ثانی یعنی مسلمان۔ اس معاملہ کو خالصۃً مذہبی میزان سے تولتا ہے کہ جس پر نہ بازار کی سردی، گرمی اثر انداز ہو سکتی ہے۔ نہ مبادلہ و معاوضہ (EXCHANGE) کی شرح میں کچھ فرق ہو سکتا ہے۔ وہ دنیا کے کسی معاملہ میں وہ بازار سیاست کے کسی سودے میں "ایس۔ ایکس" نہیں کر سکتا۔ کہ اسکے سامنے یہ حکم جلی الفاظ میں لکھا ہوتا ہے کہ:۔

من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون ۵

جو شخص اپنے معاملات کے فیصلے اللہ کی کتاب کے ماتحت نہیں کرتا اُسے اسلام سے کچھ تعلق نہیں وہ کفار کے زمرہ میں شامل ہے ۵

لہٰذا مسلمان اس مقام پر مجبور ہو جاتا ہے۔ فریق مقابل اس کی اس مجبوری کو نہیں سمجھتا اور کہہ دیتا ہے کہ دیکھو صاحب! ہم تو معاملہ کے تصفیہ پر آمادہ ہیں۔ لیکن یہ حضرت عجیب قسم کے واقع

ہوئے ہیں۔ اپنی سی کہے جاتے ہیں۔ ان سے معاملہ طے کیسے ہو۔ بات تو جب ہو کہ کچھ ہم بڑھیں کچھ یہ گھٹیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ اتحاد و مفاہمت چاہتے ہی نہیں۔ یہ تو انگریزوں کے پٹھو ہیں، یہ تو جنگِ آزادی کے راستے میں سنگ گراں بنکے بیٹھے رہنا چاہتے ہیں مسلمان یہ سب کچھ سنتا ہے اور متعجب ہو کر رہ جاتا ہے کہ یا اللہ! جینے وہ کون سی خطا کی جو اس قسم کی سب وشتم کا نشانہ بنایا جا رہا ہوں۔ وہ صرف اتنا ہی کہتا ہے کہ بھائی! یہ میرے مذہب کا معاملہ ہے میں اس میں مجبور و بے بس ہوں۔ تو اس پر پھر ایک شور بلند ہو جاتا ہے۔ کہ لو بھئی!! اب کونسل کی نشستوں میں بھی مذہب آگھسا، بندے ماترم کا گیت بھی مذہبی مسئلہ بنگیا۔ اردو ہندی کا جھگڑا بھی دین کا معاملہ ہو گیا۔ مسلمان پھر یہ سب کچھ سنتا ہے اور کہنے والوں کا منہ تکتا رہ جاتا ہے اور سوائے اسکے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ؎

یا رب یہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

لہٰذا برادرانِ وطن جب تک مسلمان کی اس مجبوری کو نہیں سمجھیں گے۔ ملکی معاملات نہیں سلجھ سکتے۔ جب تک انہیں اس بات کا یقین نہیں آجائے گا کہ ایک مسلمان کے لیے پولنگ اسٹیشن پر جا کر صحیح ووٹ دینا بھی ایسا ہی مذہبی فریضہ مقدس ہے جیسا نماز پڑھنا سیاسی مسائل کا اختلاف کا کوئی حل تجویز نہیں ہو سکے گا۔ اسوقت ہم ایک نشست میں اتنا تو نہیں کر سکتے کہ اسلام کے جملہ عناصرِ ترکیبی کو سامنے لا کر یہ بتادیں کہ بساطِ سیاست کے جن جن گوشوں کو ہندو خالص دنیاوی اور ملکی مسائل سمجھتا ہے۔ وہ مسلمان کے نزدیک عین دینی اور مذہبی معاملات ہیں۔ البتہ اسوقت ہم صرف ایک بنیادی مسئلہ کو قرآن کریم کی روشنی میں دکھانے کی کوشش کرینگے جو گزشتہ ایام جناح۔ گاندھی۔ بوس کی گفتگوئے مصالحت کے ضمن میں لوگوں کے سامنے آگیا ہے۔ گفتگوئے مفاہمت کی تفصیلات ہنوز پردۂ اخفا میں ہیں اس لیے ان پر تو کسی قسم کا تبصرہ قبل از وقت ہے۔ لیکن اخبارات میں ایک اصولی بات کا ذکر ہو رہا ہے اور وہی بات

ملک کے طول وعرض میں ہیجان انگیزی کا ذریعہ بنائی جارہی ہے۔ مسٹر جناح نے یہ کہا ہے کہ گفتگو چونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مصالحت کی غرض سے ہورہی ہے اس لیے سب سے مقدم یہ ہے کہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے اور کانگریس کو غیر مسلموں کی نمائندہ جماعت۔ اور اس طرح جو معاملات طے ہوں وہ من حیث الجماعت طے ہوں کہ مسلمانوں کے معاملات طے کرنے کی مجاز صرف ان کی نمائندہ جماعت ہوسکتی ہے۔ کوئی فرد، یا کوئی فرقہ اس کا مجاز نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک بنیادی مسئلہ تھا جو مسٹر جناح نے پیش کیا۔ اس پر ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک میں ایک ہنگامہ برپا کیا جارہا ہے کہ مسٹر جناح کا یہ مسلک خالصۃً فرقہ وارانہ ہے اس کے تو یہ معنی ہیں کہ ملک میں مسلمانوں کی ایک الگ جماعت کا وجود تسلیم کرلیا جائے اور کانگرس تمام ہندوستانیوں کی نمائندہ جماعت ہونے کے بجائے غیر مسلموں کی نمائندہ جماعت بن کے رہ جائے۔ ہمارے نزدیک یہ تمام ہنگامہ آرائی اگر مصالحت سے پہلوتہی کرنے کی نیت سے نہیں تو کم ازکم اس بنیادی غلط فہمی کی وجہ سے یقینی ہے۔ جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ یہاں دیکھنا یہ ہے کہ مسٹر جناح نے جو کچھ کہا ہے وہ انکا اپنا ذاتی خیال ہے یا وہ بہ حیثیت مسلمان، مذہب کی رُو سے۔ ایسا کہنے اور کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر تو وہ ان کا اپنا خیال ہے تو اس میں تغیر و تبدل ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ "خیال" نہیں بلکہ قرآن کریم کا حکم ہے تو پھر جب تک ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ وہ اس بنیادی اصول سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہٹ سکتا۔ ساری دنیا اس کی مخالفت کرے۔ اُسے "فرقہ پرست" کہے۔ ضدی قرار دے۔ "غدار وطن" اس کا نام رکھے جو جی میں آئے کہتی جائے وہ اپنے فیصلے میں تبدیلی تو ایک طرف۔ تبدیلی کا خیال تک بھی نہیں لاسکتا کہ ایک مسلمان کے مصالح۔ اس کی ہر روش۔ اسکا مسلک۔ اس کے فیصلے، اسکے ارادے سب قرآن کریم کے فیصلوں کے تابع رہتے ہیں۔ بلیٰ من اسلم وجھہٗ للّٰہ وھو محسن جب تک ایسا ہوتا ہے وہ مسلمان رہتا ہے اور جب قرآن کریم کے فیصلوں پر کوئی اور شے غالب آجائے تو پھر وہ "ہندوستانی" تو رہ سکتا ہے مسلمان نہیں رہ سکتا۔

قرآن کریم دُنیا میں انسانوں کی تقسیم صرف ایک اصُول پر کرتا ہے جسے کفر و اسلام کا اصُول تقسیم کہتے ہیں اس کے نزدیک انسان صرف دو جماعتوں میں منقسم ہو سکتے ہیں مسلم و غیر مسلم، انسانوں کی ایک تیسری قسم بھی وہاں ملتی ہے وہ بھی دراصل اسی دوسری جماعت ہی کی ایک شاخ ہے ان کو وہ منافقین کی جماعت کہتا ہے یعنی وہ لوگ جو بعض مصالح و منافع کی خاطر بظاہر ایک جماعت سے اپنا تعلق ظاہر کریں لیکن درحقیقت وہ دوسری جماعت کے ساتھ ہوں

وَمِن النَّاسِ مَن یقول آمنا باللہ و بالیوم الاٰخرۃ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْن یخٰدعون اللہ وَالَّذِیْنَ اٰمنوا وَمَا یخدعونَ اِلَّا انفسھم وَمَا یشعرون ۲/۸

اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ (مومنین کی جماعت سے متعلق) نہیں ہوتے۔ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دہوکہ دیتے ہیں لیکن دراصل یہ دہوکا انکی خود فریبی ہوتی ہے اور وہ سمجھتے نہیں ۲/۸

وہ لوگ جن کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ:۔

وَاِذَا لقوا الَّذِیْنَ اٰمنوا قالُوا آمنا۔ وَاِذَا خلوا اِلیٰ شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون ۲/۱۴

جب یہ لوگ مسلمانوں کی جماعت سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایماندار ہیں لیکن جب اپنے لیڈروں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں ان لوگوں سے تو ہم یونہی تمسخر کر رہے ہیں

لیکن قرآنی تقسیم کے اعتبار سے یہ لوگ بھی غیر مسلموں ہی شامل ہوتے ہیں۔

وَاِذَا جَاءُوکم قالوا اٰمنا۔ وَقد دَّخلوا بالکفر وَقد خرجوا بہ۔ وَاللہُ اعلم بِمَا کَانُوا یکتمون ۵/۶۱

اور یہ لوگ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو مومن بنجاتے ہیں۔ حالانکہ جب یہ آئے تھے تو اسوقت بھی کفر ہی لیکر آئے تھے۔ اور جب گئے تو اُسوقت بھی کفر ہی لے کر گئے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں

بلکہ یہ تو جہنم کے اسفل ترین درجہ میں جائینگے کہ کھلے دشمن سے مار آستیں ہمیشہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ ۴/۱۴۵

یقیناً یہ منافق (بہ جعفر و صادق) جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہونگے

تو گویا قرآن کریم کے نزدیک جماعتیں صرف دو ہی ہیں مسلم اور غیر مسلم۔ اس تقسیم کے سوا وہ کسی تیسری تقسیم کو جانتا ہی نہیں۔ اسلام کے نزدیک کسی مخلوط جماعت کا تصور ہی غیر قرآنی ہے یعنی وہ اسے تسلیم ہی نہیں کرتا کہ مسلم اور غیر مسلم ملکر ایک جماعت بن سکتے ہیں۔ سارا قرآن آپکے سامنے ہے نبی اکرمؐ کا اسوہ حسنہ آپ کے سامنے ہے۔ صدر اولیٰ کے مسلمانوں کی تاریخ کے اوراق آپ کے سامنے ہیں کہیں کسی ایک جگہ بھی آپ کو اس قسم کا اشارہ تک بھی نہ ملے گا کہ مومن و کافر مسلم و غیر مسلم باہمی اختلاط سے کسی ایک جماعت کے افراد بن سکیں۔ اسلام خالص مسلمانوں کی الگ جماعت قائم کرتا ہے جس میں کسی غیر مسلم کا نام تک نہیں آسکتا۔ اور اسی طرح کوئی مسلمان اپنی جماعت کو چھوڑ کر کسی دوسری جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا جو غیر مسلموں پر مشتمل ہو۔ علیکم بالجماعۃ فانہ من شذ۔ شذ فی النار (اپنی جماعت کے ساتھ رہو۔ جو اس میں سے الگ ہوا وہ سیدھا جہنم میں گیا) اس شذ (الگ ہونے) کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ خالص مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر کسی مخلوط جماعت کا فرد بنجائے۔ من فارق عن الجماعۃ شبراً فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ (جو جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوگیا۔ اس کی گردن سے اسلام کا طوق اتر گیا) اگر ہم اس موضوع پر آیات قرآنی۔ احادیث مقدسہ اور آثار صحابہؓ جمع کریں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے۔ لیکن ان تمام تحریری اسناد کے علاوہ نبی اکرمؐ کی سیرت مقدسہ اور صدر اولیٰ کے مسلمانوں (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) کی تاریخ اپنی شہادت آپ پیش کرتی ہے۔ غیر مسلم مورخین نے اس باب میں بڑی تجسس و تفحص کی ہے کہ کہیں کوئی ایک واقعہ ہی ایسا ملجائے کہ مسلمان اور غیر مسلم ملکر ایک قوم بنگئے ہوں لیکن وہ ناکام رہے ہیں۔ سر ولیم میور نے۔ اتنی سعی و کاوش کے بعد اپنی مشہور کتاب (THE CALIPHATE-ITS RISE AND FALL)

"تاریخ عروج و زوالِ خلافت" میں لکھا ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کی تاریخ میں صرف ایک شخص حارث نامی ایسا ملتا ہے جو اپنی جماعت کو چھوڑ کر خاقان کے پاس چلا گیا تھا۔ لیکن وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد تائب ہو کر واپس آگیا اسی طرح غیر مسلم بھی مسلمانوں کی جماعت کے افراد نہیں بن سکتے تا وقتیکہ وہ اسلام قبول نہ کر لیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے معاملات، خواہ وہ اپنی اندرونی اصلاح و تنظیم سے متعلق ہوں۔ خواہ خارجی دنیا سے، وہ ان کی اپنی (غیر مخلوط) جماعت کے مشوروں سے طے پا سکتے ہیں وامرھم شوریٰ بینھم (ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پائیں گے، "بینھم" (آپس میں) خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ جماعت مسلم و غیر مسلم افراد پر مشتمل نہ ہو گی۔ بلکہ خالصۃً مسلمانوں کی جماعت ہو گی پھر اطاعتِ خدا و رسول کے ساتھ جو صاحبِ اختیار، امیرِ ملت، کی اطاعت کا حکم ہے تو اس کے متعلق بھی ارشاد ہے کہ اولی الامر منکم۔ وہ صاحبِ اختیار، وہ امیرِ قوم تم میں سے ہو گا۔ کسی غیر مسلم کی قیادت میں چلنا مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ اور مخلوط جماعت میں تو ظاہر ہے کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز باقی نہیں رہے گی۔ اس تمیز مٹانے کا نام ہی تو قومیت پرستی (NATIONALISM) ہے۔

(۱) تو ہم نے یہ دیکھ لیا کہ اسلام کسی ایسی جماعت کا تصور بھی نہیں لا سکتا جو مسلم و غیر مسلم افراد کی مخلوط جماعت ہو۔ اُسکے نزدیک مسلمانوں کی جماعت الگ ہو گی اور ان کے علاوہ تمام دنیا کے غیر مسلموں کی جماعت ان سے الگ۔

---

(۲) پھر جس طرح اسلام کسی مسلم و غیر مسلم کی غیر مخلوط جماعت کا تصور یکسر غیر قرآنی قرار دیتا ہے۔ اسی طرح وہ افراد کی ہستی کو بھی کچھ نہیں سمجھتا۔ فرد جب تک جماعت کا رکن ہے تو سب کچھ ہے جب وہ جماعت سے الگ ہو جاتا ہے تو اس کی اسلامی حیثیت کچھ نہیں رہتی۔ قرآن کریم میں شروع سے آخر تک تخاطب جماعتِ مومنین (یا ایھا الذین امنوا) سے ہے کہیں ایک جگہ بھی فرد کو مخاطب کرنے کے قابل نہیں سمجھا گیا +

(۳) جس طرح اسلام افراد کی کوئی ہستی تسلیم نہیں کرتا اسی طرح اُسکے نزدیک کسی "فرقہ" کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ فرقہ سازی۔ گروہ بندی، پارٹی بازی، کو تو وہ شرک قرار دیتا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

مسلمانو! تم مشرکین میں سے نہ ہو جانا یعنی ان لوگوں میں سے جو تفرقہ اندازی کرتے ہیں، اور اپنی الگ پارٹی بنا لیتے ہیں۔ پھر ہر پارٹی، ہر فرقہ اپنے خیالات میں مگن رہتا ہے۔

دوسری جگہ ہے کہ جو ایسا کرتے ہیں:۔

لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ $\frac{6}{160}$

تمہارا اُن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں

جو جماعت سے الگ ہوگیا، خواہ ایک فرد ہو یا ایک فرقہ۔ اس کا اسلام سے کچھ تعلق نہیں رہتا۔

مندرجہ صدر ہر سہ مسلمات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے جسقدر معاملات دوسری جماعتوں سے الگ ہونگے وہ،

(ا) نہ کسی ایسی جماعت کیطرف سے ہوسکتے ہیں جو مسلم وغیر مسلم اراکین پر مشتمل ہو۔

(ب) نہ مسلمانوں کے افراد سے ہوسکتے ہیں۔

(ج) نہ کسی خاص پارٹی، کسی فرقے سے ہوسکتے ہیں۔

بلکہ وہ مسلمانوں کی جماعت ہی سے ہونگے۔ لہٰذا ازروئے قرآن و سنت۔ ہر وہ معاملہ جو اوپر کی تین شقوں میں سے کسی ایک شق کے ماتحت طے پائے گا وہ اسلامی اصول کے ماتحت محکم و استوار نہیں ہوگا لیکن جو معاملہ مسلمانوں سے من حیث الجماعۃ طے پائے گا۔ وہی فیصلہ زندہ و پائندہ ہوگا کہ مسلمانوں کے نزدیک جماعت اور جماعت کے امیر کا فیصلہ خدا اور رسولؐ کے فیصلہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور یہ وہ فیصلہ ہے جس سے سرتابی ابدی جہنم میں لے جانے کی موجب ہو جاتی ہے۔

ومن یعص اللہ ورسولہٗ فان لہٗ نار جھنّم خالدین فیھا ابداً ۲۳/۲۲

اور جو خدا و رسول کے حکم سے سرتابی کرے گا تو اسکے لیئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ
ہمیشہ رہے گا

یہاں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ مسلمانوں کو ایک "فرقہ" قرار دینا ان کو انکے مذہب سے منحرف بنا دینا ہے کہ فرقہ بندی تو اُنکے نزدیک شرک ہے۔ مسلمان فی ذاتہٖ ایک مستقل قوم (NATION) ہے اور یہ کسی مخلوط قوم (NATION) کا جزو بن ہی نہیں سکتے۔ مذہباً یہ ناممکن ہے، یہ جب تک مسلمان رہے گا ایک قوم۔ ایک جماعت کی حیثیت سے رہے گا۔ جب کسی مخلوط قوم میں جا کر ملجائیگا۔ اسلام کے دائرے سے باہر چلا جائے گا۔ یہ حقیقت بظاہر بڑی تلخ معلوم ہوگی لیکن جس حقیقت کو خدا و اس کا رسولؐ ایسے کھلے کھلے الفاظ میں بیان کرتا ہوؐ اسے رواداری کے ایک غلط مفہوم کی بنا پر کھلے لفظوں میں نہ کہنا دوسروں کو فریب دینا ہے جو اسلام میں تو کسی صورت میں بھی جائز نہیں +

انّ الّذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بیّنّٰہ للنّاس فی الکتٰب اولٰئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللّٰعنون ۱۵۹/۲

یقیناً وہ لوگ جو اس چیز کو چھپاتے ہیں جو ہمنے دلائل و ہدایت کی بنا پر نازل کیا ہے، بعد اسکے کہ ہمنے اسے کتاب میں تمام انسانوں کے لیئے بالکل ظاہر کردیا ہے۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے +

اب مسئلہ زیر نظر کی دوسری شق کو لیجیے یعنی مسلمانوں کو من حیث الجماعت غیر مسلموں کی جماعتوں سے کس صورت میں معاملات طے کرنے ہونگے۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ اسلام دُنیا میں شرفِ انسانیت سکھانے کے لیئے آیا ہے۔ مسلمانوں کا جذبۂ عدل و انصاف، رحم و مروّت ہمدردی و احسان کسی خاص قوم۔ خاص نسل۔ خاص رنگ۔ خاص ملک حتےٰ کہ کسی خاص مذہب تک محدود نہیں ہوتا۔ ان کا خدا رب الناس یعنی تمام نوعِ انسانی کا پروردگار ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے جذبات مروت و پرورش بھی تمام نوعِ انسانی کے ساتھ یکساں ہوتے ہیں۔ لیکن نظم و نسقِ عالم کی بہترین

تقویم کے لیے۔ دُنیا میں اس جماعت کے استحکام کی خاطر جو حق و انصاف کی علمبردار ہے جو خدا کے ضابطۂ آسمانی کی امین اور حامل ہے قرآن کریم نے وہ قوانین بھی مرتب فرما دیئے ہیں جن کی رو سے مسلمانوں کی جماعت غیر مسلموں کی جماعت کے ساتھ تعلقات قائم کر سکتی ہے۔ تعلقات کی ایک شکل تو وہ ہوتی ہے۔ جسے اعتماد۔ بھروسہ۔ قلبی یگانگت۔ دلی دوستی، وحدتِ ایمان و عمل کے تعلقات کہتے ہیں اسے قرآنی اصطلاح میں تولّی کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے تعلقات قرآن کریم کی رو سے مسلمان صرف اپنی جماعت کے ساتھ وابستہ کر سکتے ہیں، غیر مسلموں کے ساتھ اس قسم کے تعلقات قطعاً پیدا نہیں کیے جا سکتے۔ اس چیز کو قرآن کریم نے مسلمانوں کی مرضی پر ہی نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ ان کو کھلے کھلے الفاظ میں تاکیدی احکام دیئے ہیں کہ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے (یہ چیز کسی دوسرے وقت بیان کی جائے گی کہ دُنیا میں اس قسم کی جماعت کا وجود کیوں ضروری ہے۔ اور اس جماعت کے افراد کو غیر مسلموں کے ساتھ اس قسم کے قلبی تعلقات پیدا کرنے سے کیوں روکا گیا ہے۔ اس وقت ہم صرف قرآنی مسلمات سے بحث کر رہے ہیں نہ اُن کے دلائل و حجج سے) فرمایا:۔

"مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں (اولیاء دلی دوست) وہ نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں بُرائیوں سے روکتے ہیں۔ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔۔۔ $\frac{9}{71}$

اس کے برعکس غیر مسلموں کے متعلق فرمایا:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ۔ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ $\frac{3}{117}$

اے ایمان والو۔ اپنے سوا (یعنی اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا) کسی دوسرے کو دلی دوست۔ رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھیں گے، وہ ہمیشہ تمہارے نقصان پر خوشیاں مناتے ہیں اُن کی نفرت اور کینہ کی کچھ باتیں

توان کے منہ سے (بعض اوقات) نکل جاتی ہیں لیکن جو کچھ اُنکے دلوں کے اندر بھرا ہوا ہے. وہ اس سے کہیں زیادہ ہے. ہم نے کھلی کھلی باتیں تم سے کہہ دی ہیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو (تو خود سمجھ لوکہ اس میں کیا مصلحت ہے۔)

مِنْ دُونِکُم کا ٹکڑا قابل غور ہے یعنی اپنے سوا. اپنی جماعت کے افراد کے علاوہ اور کوئی بھی ہو اس سے اس قسم کے تعلقات قطعًا پیدا نہیں کیے جا سکتے جیسے اپنوں سے کیے جا سکتے ہیں. ہم نے پہلے ہی دیکھ لیا ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے دُنیا میں جماعتیں صرف دو ہی ہیں ایک مسلمانوں کی اور دوسری غیر مسلموں کی (مِنْ دُونِکُم کی) مسلمانوں کے سوا اور ساری دُنیا کی جماعتیں اس "غیر مسلم" جماعت میں شامل ہیں. جو مسلمانوں کی جماعت نہیں وہ غیر مسلموں کی جماعت ہے. خواہ وہ ہزار فرقوں سے ملکر جماعت بنی ہو. خواہ اسے کسی مُلک کی "واحد نمائندہ" ہونے کا دعویٰ بھی کیوں نہ ہو، مسلمانوں کے نزدیک وہ جماعت من دون المؤمنین (غیر مسلم) جماعت ہے اور یہی وہ جماعت ہے جس سے تولّی. قلبی تعلقات. دلی دوستی. اعتماد اور بھروسہ کے تعلقات. قطعًا جائز نہیں وطن کا رشتہ تو ایک طرف رہا. خواہ خون کا رشتہ بھی کیوں نہ ہو. "خواہ اُنکے آباء و اجداد ہی کیوں نہوں انکے بیٹے کیوں نہوں بھائی کیوں نہوں رشتہ دار کیوں نہوں" ($\frac{۵۸}{۲۲}$) ان سے تولّی جائز نہیں. غیر مسلموں کے ساتھ جو تعلقات قایم ہونگے وہ ہمیشہ باہمی معاہدوں کی رُو سے قایم ہونگے. جن میں باہمی حقوق و ضمانت کی شرائط و قیود واضح کی جائیں گی. یہ وہ جماعتیں ہوں گی جنکے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ "بینکُم وَ بینھم میثاق" تمہارے اور اُن کے درمیان میثاق ہے۔ معاہدہ ہے. نبی اکرمؐ نے جسقدر معاملات غیر مسلموں سے طے کیے سب اسی انداز سے کیے. من حیث القوم کیے. باہمی معاہدوں کی رو سے کیے. صدر اوّل کے مسلمانوں کی تاریخ ان مواثیق و معاہدات سے بھری پڑی ہے. اسکے خلاف ہمارا دعویٰ ہے اور علیٰ وجہ البصیرت یہ دعویٰ ہے کہ قرآن و حدیث و آثار و تاریخ میں کہیں ایک سند بھی اس چیز کے اثبات میں نہیں ملے گی کہ مسلمانوں نے غیر قوموں سے انفرادی طور پر دوستی اور تولّی کے تعلقات قایم کیے ہوں. اگر کسی کو اس میں

میں شک ہو تو اپنے دعوے کے اثبات میں کوئی ایک سند پیش کرے۔ فَاْتُوا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ؁

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی مُسلمان ایسا کرے کہ وہ انفرادی طور پر غیر مُسلم جماعتوں کے ساتھ رابطۂ مودّت ومواخات قایم کرکے اُن کے ساتھ دوستی اور تولّی کا رشتہ پیدا کرے تو قرآن کریم کا اِس باب میں کیا حکم ہے لیکن قبل اسکے کہ آپ یہ حکم سُنیں ذرا کلیجہ کو تھام لیجے حکم وہ ہے کہ جسکے دیکھنے سے آنکھیں پتھرا جاتی ہیں جس کے احساس سے دل کانپ اُٹھتا ہے جس کے لکھتے وقت ہاتھ تھرتھرا جاتا ہے۔ سُنیئے حکم ہے کہ:-

مَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ ؁ ۵۱ صلے

جو تم میں سے اُنکے ساتھ اس قسم کا رشتہ قایم کرے تو وہ اُنہی میں کا ایک ہوجاتا ہے۔

غور فرمایئے۔ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ۔ وہ تم میں سے نہیں رہتا۔ وہ انہی میں سے ایک ہوجاتا ہے۔ جو اپنی جماعت کو چھوڑ کر دوسروں سے تعلقات قایم کرتا پھرے اُسے تم سے کیا واسطہ! وہ جن میں جا ملا-انہی میں سے ہوگیا! اللہ اکبر۔ غور فرمایئے بات کہاں پہنچ رہی ہے!! یاد رکھیے قرآن کریم کوئی "شاعری" کی کتاب نہیں ہے کہ یونہی برائے بیت کچھ الفاظ لکھ دیتا ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ ہمالیہ پہاڑ سے زیادہ محکم اور اٹل ہے۔ اور جو کچھ کہتا ہے اس کا مطلب بھی وہی ہوتا ہے جب اُسنے فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ کہا تو فی الواقعہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص مُسلمانوں کے حلقہ میں رہتا ہی نہیں۔ وہ انہی میں سے ایک ہوجاتا ہے جن میں وہ جا ملتا ہے۔ اِس فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ کی عملی تفسیر دیکھنی ہو تو روزمرّہ کے واقعات پر غور فرمایئے۔ ہندوؤں اور مُسلمانوں میں مصالحت کی

صلے آیت میں اس مقام پر یہود ونصاریٰ کا ذکر بالتصریح ہے لیکن چونکہ مسلمانوں کو تمام کفار سے تولّی کی ممانعت کی گئی ہے (دیکھو) اور یہود ونصاریٰ کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر کافر کہا گیا ہے اس لیئے فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ کے معنی یہی ہیں کہ مسلمان اپنی جماعت مومنین کے سوا جن سے بھی تولّی رکھے گا وہ انہی میں سے ہوجائے گا۔

گفتگو کے متعلق ابتدائی مراحل طے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے مسٹر جناح سامنے آتے ہیں اور مہاتما گاندھی سے کہتے ہیں کہ آپ ہندوؤں کی طرف سے آیئے۔ آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہاں سے کیا جواب آیا؟ کہ حیران ہوں کہ اس جواب پر آسمان کیوں نہ پھٹ پڑا۔ زمین کیوں نہ شق ہوگئی، یہ خطہ کیوں نہ غرق ہوگیا۔ جواب آتا ہے کہ ہماری طرف سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد آئیں گے اُن سے بات کیجئے اللہ جل جلالہٗ۔ یہ دن بھی ملّتِ اسلامیہ کو دیکھنے تھے۔ لیکن اُس مردِ غیور کی حمیت اسے گوارا ہی نہ کرسکی کہ چشمِ فلک اِس نظارہ کو بھی دیکھے کہ مسلمان آمنے سامنے ہوں اور اُن میں سے ایک مسلمانوں کا نمائندہ ہو اور دوسرا ــــ غیر مسلموں کا نمائندہ۔ اُس نے کہہ دیا کہ نہیں ہندوؤں کی طرف سے آپ تنہا ہی آیئے۔ پھر اس "انہ منہم" کی تفسیر دیکھنی ہو تو وہ بیانات ملاحظہ فرمایئے جو اخبارات میں آئے دن شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے جب کبھی ہندوؤں کے خلاف صدائے احتجاج اٹھتی ہے تو اُسکے جواب میں ہندوؤں کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے۔ اُن کی بریت اور صفائی پیش کرنے کے لیے اور اُلٹا مسلمانوں کے سر الزام دھرنے کے لئے کون سامنے لایا جاتا ہے؟ کوئی ڈاکٹر مونجے نہیں۔ کوئی بھائی پرمانند نہیں۔ بلکہ "امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد۔

اے محمدؐ گر قیامت را براری سر زِ خاک !

سر برآر و ایں قیامت درمیانِ خلق بیں !

سچ کہا ہے قرآن کریم نے کہ "جب کوئی انسانوں کو خدا سمجھنے لگتا ہے تو اُس کی حالت یہ ہو جاتی ہے گویا وہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر آگرے یا اُسے ہَوا کے تیز جھونکے پر کاہ کی طرح اِدھر اُدھر اٹھائے لیے پھر رہے ہوں یا جیسے کسی چھوٹے سے پرندے کو کوئی عقابی پنجوں والا گدھ اُچک کرلے جائے۔" وہی مومن جو تختہ دار پر بھی اپنی سی کہے جاتا ہے اور دُنیا کی کوئی طاقت اسے اس سے روک نہیں سکتی۔ پھر اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جو جس کے جی میں آئے اُس سے کہلوا لے۔ یا للعجب۔

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ۔۔۔ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

بشر المنافقین بان لھم عذابًا الیما۔ ن الذین یتخذ و ن الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ۔ ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعًا۔ ۱۳۹-۱۳۸

ان منافقین کو خوشخبری دیدیجئے کہ اُنکے لئے دردناک عذاب ہے وہ لوگ کہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر (یا مسلمانوں کے سوا) غیر مسلموں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا یہ لوگ ان غیر مسلموں کے پاس عزت پانے کی خاطر جاتے ہیں! سو عزت تو تمام اللہ کے ہاں ہے ۱۳۸-۱۳۹

کتاب و سنت کی ان تصریحات کو سامنے رکھیئے اور پھر دیکھیے کہ اگر مسٹر جناح یا کوئی اور مسلمان یہ کہہ دے کہ:-

(۱) ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحادِ عمل کی صرف یہی صورت ہے کہ ان دونوں کے درمیان من حیث الجماعت معاہدہ ہو۔ اور

(۲) ایک فریق کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے اور دوسرے فریق کو غیر مسلموں کی نمائندہ جماعت۔

تو کہیئے اُسنے کون سا جُرم کر دیا ہمیں اس سے واسطہ نہیں کہ کانگریس ہندوستان کی نمائندہ جماعت ہے یا نہیں۔ وہ ساری دُنیا کی نمائندہ جماعت بنجائے لیکن اسلام کے نزدیک چونکہ مسلم غیر مسلم کی مخلوط جماعت کا تصور ہی باطل ہے اسلیئے مسلمانوں کے نزدیک یہ جماعت غیر مسلموں کی جماعت ہی رہے گی مسلمان ایسا سمجھنے۔ ایسا ماننے اور ایسا کہنے پر اپنے مذہب کی رُو سے مجبور ہے اس میں نہ کسی سیاسی مصلحت کو دخل ہے نہ کسی کی ذاتی رائے کو۔ آجکل ایک ہنگامہ برپا کیا جا رہا ہے کہ دیکھیے صاحب کانگرس کی وسعتِ ظرف کہ اُسنے مسلمانوں کے نمائندہ جناب جناح سے دو لفظوں میں صاف کہہ دیا کہ ہم سب مطالبات تسلیم کر لینگے بشرطیکہ وہ کانگریس کے نظریۂ قومیت (NATIONALISM) کے خلاف نہ ہوں یعنی مسلمان بجائے اپنی الگ جماعت تسلیم

کرا لیں کہ تسلیم کرلیں کہ "مسلم و غیر مسلم" دونوں مل کر ایک مخلوط قوم بن سکتے ہیں۔ صدر کانگریس نے پچھلے دنوں آسام میں ایک ایڈریس کے جواب میں کہا ہے کہ ہم سب کچھ مسلمانوں کے حوالے کر دینے کو تیار ہیں بشرطیکہ مسلمان اپنے الگ جماعتی نظریہ کو چھوڑ کر "مشترکہ قومیت" کے نصب العین کو تسلیم کر لیں کس قدر چھوٹی سی شرط۔ اور کتنا معصوم سا مطالبہ!! اور مسلمانوں کی "ہٹ دھرمی" ملاحظہ ہو کہ اتنی سی بات نہیں مانتے!! لیکن مسلمان کیا کرے! وہ اپنے خدا کی مانے۔ خدا کے رسولؐ کی مانے۔ یا ان "تازہ خداؤں" کی مانے۔ یوں سمجھئے کہ صرف اتنا ہی کہا جاتا ہے کہ بھئی میں تیری تمام شرطیں مان لونگا۔ بس ذرا سی میری بات مان لو کہ اپنی شاہ رگ کاٹ لینے دو۔ اور اس شرط کے نہ ماننے پر دہائی مچا دی جاتی ہے کہ فرقہ پرست!! انسانیت کا دشمن۔ وطن کا غدار۔ انگریز کا پٹھو۔ اور پتہ نہیں کیا کیا!! ہم برادران وطن سے صرف اتنی درخواست کرینگے کہ وہ اپنے دل میں اس قسم کے خیالات کو پرورش دینے کی بجائے ایک مرتبہ مسلمان کی پوزیشن کیوں نہیں سمجھ لیتے اور اس کی ان "مجبوریوں" پر نگاہ کیوں نہیں رکھتے جو بصورت قانون خداوندی کی شکل میں مسلط ہیں اور جن "مجبوریوں" کے اندر درحقیقت اس کی "آزادی" کا راز پوشیدہ ہے +

یہ ہے بنا مسلمانوں کے واحد نمائندہ جناب محمد علی جناح کے بنیادی مطالبات کی جنہیں دیکھ کر ایک سچا مسلمان صدائے تحسین بلند کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس مرد حق آگاہ کی دقیقہ رس اور دور بین نگاہیں حقائق قرآنی کو کس طرح حالات حاضرہ کی مطابقت میں پیش کر رہی ہیں مسلمان عام طور پر سمجھتا ہے کہ قرآن جبہ و عمامہ میں لپٹا رہتا ہے لیکن اس ہیٹ اور پتلون کے ساتھ روح قرآنی کی اس انداز سے ترجمانی۔ بلا ساختہ سعدی کے یہ الفاظ سامنے لے آتی ہے کہ:۔ درویش صفت باش و کلاہِ تتری پوش۔ دیکھنے والی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں کہ "مسٹر جناح

اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

شاہراہِ مقصود

(از جناب مولانا ابوالکلام آزاد)

(تحریکِ آزادی میں مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہونی چاہیئے۔ اسکے متعلق مولانا آزاد صاحب نے ۱۹۱۲ء میں تحریر فرمایا تھا:۔)

"ہم نہایت حسرت کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ تقسیم بنگال کی تنسیخ سے نہیں بلکہ منٹو سے اپنے اندر آزادی اور حقوق طلبانہ پالیسی کا ولولہ رکھتے ہیں۔ گو عام راہ ضلالت سے الگ رہنے کا انہیں الاؤنس دینا چاہیئے لیکن افسوس ہے کہ اُنکے سامنے بھی ہندوؤں کی پولٹیکل جدّوجہد کے سوا کوئی مستقل اور علیحدہ راہ نہیں ہے۔ وہ بھی اپنی ترقی کا سدرۃ المنتہیٰ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہندوؤں کے قدم بقدم چلنا سیکھ جائیں۔ بے شک ہمارے عقیدے میں بھی آج کل مسلمانوں کے لیئے عبرت اور تنبیہ کا سب سے بڑا سبق ہندوؤں کے سیاسی اعمال میں ہے اور بڑی بدبختی یہی تھی کہ آج تک اس سے عبرت حاصل نہیں کی گئی لیکن پیروانِ 'امامِ مبین' کے لیئے اس سے بڑھ کر کوئی مذہبی موت نہیں ہو سکتی کہ اعمالِ زندگی کے ایک ضروری شعبے میں ان کو اسلام تعلیم دینے سے مجبور ولاچار ہوگیا ہو اور اس کی طرف سے مایوس ہو کر انہیں ایک دوسری قوم کے دسترخوان کی چھوڑی ہوئی ہڈیوں پر للچانا پڑے۔ اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے کہ سرے سے اسلام ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ دُنیا کو ایسے مذہب کی کیا ضرورت ہے جو صرف خطبۂ نکاح میں چند آئتیں پڑھ دینے یا البتر نزع پر سورۂ یٰسین کو دُہرا دینے کے لیئے کارآمد ہو سکتا ہے! ہمارے نزدیک اسلام کے دامنِ تقدیس پر اس سے بڑھ کر اور کوئی بدنما داغ نہیں ہو سکتا کہ انسانی حُریت اور ملکی فلاح کا سبق مسلمان دوسری قوموں سے لیں ....

پس اگر مسلمان زندگی حاصل کر سکتے ہیں تو مسلمان بن کر نہ ہندو یا سکھ بنکر نہیں۔ اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اُس کا ٹمٹماتا ہوا دیا چُرانے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ

فرض کر لیجئے، کل ہندوؤں کو اپنی پالیسی بدل دینی پڑی۔ جتنی راہیں انسانی دماغ کی پیدا کردہ ہیں ان
میں تغیر و تبدل ہر وقت ممکن ہے۔ البتہ خدا کی تعلیم میں ممکن نہیں۔ کہ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ پھر کیا آ
حالت میں مسلمان بھی اپنے اماموں کے ساتھ اپنی نمازیں توڑ دیں گے؟ ذرا غور سے کام لیجئے، کہ گہری
اور تفکر طلب باتیں ہیں۔ ہم مسلمانوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ خواہ کسی اصول پر مبنی ہو لیکن
وہ ایک ایسی راہ پیدا کرلیں جو ان کی مستقل اور مخصوص راہ ہو جس میں کبھی تغیر کی ضرورت نہ ہو۔ تمام
خارجی اثرات تغیر سے محفوظ ہو نیز کہا جا سکے کہ وہ مسلمانوں کی راہ ہے .... ہمارے ملکی بھائی
اپنے اندر صرف قومیت اور سیاست کی روح پیدا کر کے زندگی کی حرارت پیدا کر سکتے ہیں اسکے اور وطن میں
بھی۔ لیکن مسلمانوں کی تو کوئی علیحدہ قومیت نہیں جو کسی خاص نسل و خاندان یا زمین کے جغرافیائی
تقسیم سے تعلق رکھتی ہو۔ ان کی ہر چیز مذہب۔ یا بالفاظ مناسب تر اُنکا تمام کاروبار صرف خدا سے
ہے۔ پس جب تک وہ اپنے تمام اعمال کی بنیاد مذہب کو قرار نہیں دینگے اسوقت تک ان میں قومیت کی روح پیدا ہوگی اور
نہ وہ اپنے بکھرے ہوئے شیرازہ کو جمع کر سکینگے آج دنیا "قوم" اور "وطن" کے نام میں اپنے لیے جو تاثیر رکھتی ہے مسلمانوں
کے لیے وہ اثر صرف "اسلام" یا "خدا" کے لفظ میں ہے۔ یورپ میں "نیشن" کا لفظ کہہ کر ایک شخص ہزار ہا
دلوں میں حرکت پیدا کر سکتا ہے لیکن آپ کے پاس اسکے مقابلہ میں اگر کوئی لفظ ہے تو "خدا" یا "اسلام"

ہے ...... (لہذا)

(۱) مسلمانوں کے لیے ہر شئے اُنکے مذہب میں ہے پس وہ اگر آج کل اپنی پولیٹکل زندگی اپنے اندر پیدا کرنا
چاہتے ہیں تو اُس کی جگہ اس شئے ہی کو کیوں نہ پیدا کریں جو نہ صرف پالیٹکس بلکہ قومی اعمال کی ہر شاخ زندگی
(۲) قرآن کریم صرف نماز اور روضو کے فرائض تلانے ہی کیلئے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ انسانوں کے لیے ایک
کامل اور اکمل قانون نجات ہے جس سے انسانی زندگی کی کوئی شئے باہر نہیں پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی
اور ہر وہ عمل جو قرآنی تعلیم پر مبنی نہ ہو گا اُنکے لیے موجب فوز و فلاح نہیں ہو سکتا۔
(۳) ان کو اپنا نصب العین صرف "اسلام" بنانا چاہیئے اور ساری طاقت اس میں صرف کر لی
چاہیئے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر صرف احکام اسلام کے مطیع و منقاد ہو جائیں۔ اسلام ہی اُنکے لیے

پالیٹکس کی راہ کھولے گا تعلیم کا حکم دے گا۔ اخلاق و فضائل میں تبدیلی پیدا کر دے گا اور وہ تمام باتیں جن کو ترقی یافتہ قوموں میں دیکھ کر وہ للچا رہے ہیں. نقصانوں اور مضرتوں سے صاف ہو کر ان میں پیدا ہو جائیں گی۔

(۴) تعلیم معاشرت اور سیاست میں ان کو بر بنائے اتباع اقوام کوئی راہ اختیار نہیں کرنی چاہیئے بلکہ بر بنائے مذہب۔ (الہلال ۹ راکتوبر ۲۳ اکتوبر و ۲۶ نومبر ۱۹۱۲ء)

کیا کوئی خدا کا بندہ ایسا ہے جو قوم کو اتنا پوچھ کر بتادے کہ قرآن کریم کی وہ تعلیم جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہ تھا. وہ آج کس کی نذر ہو گئی! یہ نیا مسلک جو بر بنائے اتباع اقوام اختیار کیا جا رہا ہے اور جس کی طرف مسلمانوں کو پکار پکار کر بلایا جا رہا ہے کون سے نئے قرآن سے حاصل کیا گیا ہے! مسلمانوں کی اس مذہبی موت کا ذمہ دار کون ہے جس کی رُو سے اُنہیں ہندوؤں کے قدم بقدم چلنا سکھایا جا رہا ہے۔ وہ کون سا سامری ہے جس کی فسوں سازیاں ملّتِ بیضا کو خدائے طُور سینا سے ہٹا کر گوسالہ پرستی کیطرف لیے جا رہی ہیں! وہ کون سا مقناطیس ہے جس نے مسلمانوں کے قبلہ نما کی سوئی کا رخ "آنند بھون" کیطرف پھیر دیا ہے۔ وہ کون ہے جو آج دوسروں کی چھوڑی ہوئی ہڈیوں کے پیچھے للچایا ہوا دوڑ رہا ہے۔ وہ کون سا فقیر ہے جس کی جھونپڑی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو آج شمعِ کافوری سے بھی زیادہ درخشندہ و تابناک بنا کر دکھایا جا رہا ہے! وہ کون ہے جو مسلمانوں کے اندر اسلام یا خدا کے نام سے نہیں بلکہ قوم اور وطن کے نام سے زندگی کی حرارت پیدا کرنا چاہتا ہے! وہ کون سی مستقل اور علیحدہ راہ ہے جو ہندوؤں سے ہٹ کر مسلمانوں کے لیے تجویز کیجا رہی ہے! وہ کون سا گرداب ہے جو آج مذہب کے خطبۂ نکاح اور وضو اور غسل کے مسائل تک محدود کر دینا چاہتا ہے!!

ہاں ـــ ذرا غور سے کام لیجئے کہ یہ گہری اور تفکر طلب باتیں ہیں!

ہمیں معلوم ہے کہ آج قوم کے پاس کوئی ایسی قوت اور کشش موجود نہیں جو ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے کسی مُہر خاموشی کو توڑ سکے لیکن ؎

قریبِ یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستین کا

بحضورِ سرورِ کائنات ﷺ

(خانصاحب حکیم احمد شجاع صاحب اسسٹنٹ سکریٹری پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی)

اے رسولِ ہاشمی اے سرِّ تکوینِ حیات   اے کہ تیری ذات ہے وجہِ نمودِ کائنات
تو نہ تھا تو محفلِ کون و مکاں بے رنگ تھی   تو نہ تھا تو بزمِ ہستی سازِ بے آہنگ تھی
حسنِ فطرت میں ابھی ذوقِ خود آرائی نہ تھا   عشق اب تک محرمِ اسرارِ رسوائی نہ تھا
تلخیٔ حق سے ابھی نا آشنا گفتار تھی   عقلِ انسانی ابھی پابستۂ انکار تھی
سربلندوں کی جبیں سجدے سے نورانی نہ تھی   سینۂ انساں میں آہِ نیم شب لرزاں نہ تھی
آنکھ میں آنسو نہ تھے سر میں نگوں ساری نہ تھی   قلبِ مومن کی جہاں میں گرم بازاری نہ تھی
خواب میں آسودہ ابراہیمؑ کی تکبیر تھی   ہیبتِ ضربِ کلیمؑ اک خوابِ بے تعبیر تھی
بربطِ داؤدؑ اک مدت سے رہینِ زنگ تھی   مے تو تھی لیکن بہت بے کیف او کم رنگ تھی
تو نے آتے ہی بدل دی طرحِ تقویمِ حیات   ہو گئیں پابندِ امکانِ عمل ناممکنات
قالبِ ہستی میں دوڑا دی شعاعِ زندگی   ہو گئی ارزاں ترے دم سے متاعِ زندگی
پیکرِ گِل کو کیا توحید کا سرِّ جلی!   خاک کو دی قدرتِ نشوِ حسینؓ ابنِ علیؓ

آج تیرے عتبۂ اقبال پر آیا ہوں میں   دل کے ٹکڑے نذر کرنے کیلئے لایا ہوں میں
وہ تہی دامن ہوں جسکے پاس کچھ ساماں نہیں   جانتا ہوں سنگریزے نذر کے شایاں نہیں
اپنی رحمت پر نظر کر میری ناداری کو دیکھ   دورِ غارتگر میں ناچاروں کی ناچاری کو دیکھ
قوم کو جب دیکھتا ہوں ٹھوکریں کھاتے ہوئے   شرم آتی ہے ترے دربار میں آتے ہوئے

بس نہیں چلتا بجز حیرانی و شرمندگی پھونک دے پھر اس تنِ بے جان میں روحِ زندگی
سوز سے معمور کر کے شعر کا پیمانہ کر ماسوا سے میرے ذکر و فکر کو رسوا نہ کر
عشق را چالاک ترکن از لبِ جامِ کہن حسن را بیباک ترکن بر سرِ بامِ کہن
قلب را تابِ پرِ پروانۂ بے تاب بخش چشم را اشکِ روان و فطرتِ سیماب بخش

نعرۂ حق را ز شعرِ من بلند آوازہ کن
یادِ بزمِ رفتگاں را از فغانم تازہ کن

ترسیلِ زر

میں خریدارانِ طلوعِ اسلام احتیاط سے کام لیں جملہ ترسیلِ زر

بنام حکیم ذکی احمد صاحب مالک جدید برقی پریس

دلیماراں دہلی ہونی چاہیے

تکلف برطرف

راآزی

گذشتہ اپریل میں اندور کے مقام پر تمام مذاہب کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ ایسے اجتماع مفید ہو سکتے ہیں بشرطیکہ مقررین حضرات اس مذہب کے حقائق سے واقف ہوں جس کی نسبت وہ کچھ بیان کر رہے ہوں اور سامعین میں قوت فیصلہ کے ساتھ اتنی جرأت قلب بھی ہو کہ جہاں کوئی غلطی محسوس کریں اس کا اجتماع کے سامنے بیباکانہ اظہار کر دیں۔ اندور کی کانفرنس نے ہمارے دل پر اس کانفرنس کی یاد تازہ کر دی جو جولائی ۱۹۳۶ء میں لندن کے مقام پر بصدارت سر فرانسس ینگ ہسبینڈ منعقد ہوئی اور جس میں تمام مذاہب عالم کے ممتاز ترین نمائندگان نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کی روئداد۔ مع ان مقالات کے جو اس میں پڑھے گئے۔ شائع ہو چکی ہے اور دلچسپ معلومات کا مجموعہ ہے جیسا کہ اس روئداد (FAITHS AND FELLOW SHIP) سے ظاہر ہے۔ اور جس کی تائید ہم سے کانفرنس مذکور کے سکرٹری صاحب کی ایک پرائیویٹ چٹھی سے بھی کرائی ہے۔ عام انداز یہ تھا کہ جلسہ میں جو مقالہ پڑھا جانے والا ہوتا۔ اس کو پہلے سے چھپوا لیا جاتا اور نمایندگان جلسہ شروع ہونے سے پیشتر اس کا مطالعہ کر لیتے۔ پھر مقالہ کے ختم ہونے پر اس کے متعلق بحث و مذاکرہ ہوتا۔ ۱۴ر جولائی کی صبح کے اجلاس میں ایک ممتاز عیسائی محقق۔ ڈاکٹر سٹین (STEIN) نے عیسائیت کے متعلق ایک "فاضلانہ مقالہ" پڑھا۔ یہ صاحب رسالہ "عصر حاضرہ" (PRESENT AGE) کے ایڈیٹر اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اپنے مقالہ میں انھوں نے الوہیت مسیح کو متعدد دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بہر حال یہ ان کا موضوع تھا۔ اپنے مذہب کا معاملہ تھا۔ جو جی میں آئے کہتے۔ لیکن انھوں نے فرمایا کہ حضرات، الوہیت مسیح تو ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے جس کا اعتراف خود اسلام کو بھی ہے۔

اب ہم نے ذرا غور سے مقالہ کو پڑھنا شروع کیا۔ ذرا تصور میں لائیے اس کیفیت کو یہ صاحب علمی دنیا میں اتنی شہرت کے مالک ہیں۔ چار پانسو ممتاز نمایندگان مذاہب کا اجتماع ہے۔ خود

مذہب اسلام کے نمایندے بھی موجود ہیں۔ اس بھری محفل میں کس جرأت دیباکی سے فرماتے ہیں کہ

"قرآن کریم کی انیسویں سورہ میں (حضرت) محمدؐ نے کہا ہے کہ (حضرت) عیسٰےؑ کی ذات گرامی وہ ہے جو آفتاب کو اپنے دائیں ہاتھ پر اور مہتاب کو بائیں ہاتھ پر لئے ہوئے ہے"

کسی مسلمان نے قرآن کریم کی انیسویں سورہ کو نہیں دیکھا۔ اور اگر کسی نے نہیں دیکھا تو اب نکال کر دیکھ لے۔ اور تلاش کرے کہ یہ آیت کونسی ہے جو ڈاکٹر صاحب نے اس بلند آہنگی کے ساتھ پیش کی ہے۔ ہم نے مقالہ کے بعد اس بحث کو دیکھا جو اس مقالہ کے اختتام پر اس سے متعلق وہاں چھڑی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں بہت سی تھیں۔ لیکن غیر تو ایک طرف کسی اسلامی نمایندہ نے بھی وہاں یہ نہ کہا کہ حضور! ذرا ہمیں بھی تو اس قرآن کی زیارت کرا دیجئے جس میں یہ آیت درج ہو۔ بحث ہوئی۔ مقالہ کی تعریف ہوئی اور جلسہ برخاست ہوگیا۔ اور جرأت بالائے جرأت ملاحظہ ہو کہ مقالہ معہ اس "اقتباسِ قرآنی" کے روئداد میں شائع ہوا۔ اور اب ساری دُنیا میں گردش کر رہا ہے۔

جہاں ایسے ایسے "محققین" مقالہ نگار ہوں۔ اور ایسے ایسے واقف کار نمایندگانِ مذاہب وہاں اس قسم کے مذہبی اجتماعات کیوں نہ جہل و ظلمت کی غلط فہمیوں کو دور کریں۔

اور آپ یہ نہ خیال فرمایئے کہ اسلام کی نمایندگی کسی "مسٹر" کے حصہ میں آئی تھی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے نمایندہ ہمارے ایک بہت بڑے علامہ مفسر قرآن تھے! اِیا للعجب۔

مشہور انقلاب پسند۔ کانگریس پرست پرچہ کلیم دہلی) ہمیشہ مذہبی معتقدات کا تمسخر اڑاتا رہتا ہے۔ اور اگر کوئی اسے اس روش سے ٹوکتا ہے تو وہ اپنی اس لامذہبیت کے جواز میں ایک عجیب دلیل پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مذہب پرست طبقہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ لامذہب طبقہ کی عقلیں کمزور ہیں۔ لیکن "اگر لامذہبوں کی عقلیں کمزور واقع ہوئی ہیں تو اِس ضعفِ عقل کی ذمہ داری کس پر

عاید ہوتی ہے۔ کیا منکران مذہب اپنی عقلوں کے خالق ہیں اور اگر وہ اپنی عقلوں کے خالق نہیں ہیں تو ان کی اس بیدینی کا جو ضعف عقل سے پیدا ہوتی ہے کون جواب دہ قرار دیا جائے گا"

(کلیم دسمبر ۱۹۳۰ء)

یعنی وہی عقیدۂ جبر جس کی آڑ میں بنی اُمیہ کے متغلبین اپنے استبداد شخصی کو چھپایا کرتے تھے۔ لیکن یہی پرچہ اپنی ہر اشاعت میں "کانگریس کے منکرین" کو جی بھر کے گالیاں دیتا رہتا ہے "پیدائشی وطن فروش"۔ "مادرزاد غدار"۔ "مسہریوں میں کروٹیں بدلنے والے گوشت کے سانس لینے ہوئے مٹرے لوتھڑے"۔ "برہنہ داری" وغیرہ ان کے نام رکھتا ہے (کلیم بابتہ مارچ ۱۹۳۸ء)

یعنی یہ حضرت اگر خدا کا بھی انکار کر دیں تو در خورِ معافی

اور جناح بچارا اگر ہندو کا منکر ہو تو قابلِ دار!!

کیا یہ کہیں اس لئے تو نہیں کہ خدا کی گرفت مُہلت دیتی ہے اور ہندو کی گرفت اتنی قریب نظر آتی ہے کہ اُس کے خلاف جانے سے وہ اگلی اشاعت کی بھی نوبت نہ آنے دے۔

"مصلحت بیں د کارِ آسان کن"

اِسے سیاسی اصطلاح میں "نیشنلزم" کہتے ہیں۔

کچھ عرصہ سے اخبارات میں یہ خبر گشت لگا رہی ہے کہ خلیفہ قادیان اپنی جماعت کو تلقین کر رہے ہیں کہ چونکہ خداوندانِ لندن نے اپنا گوشۂ چشمِ ربوبیت اِن وفا شعاران سے پھیر لیا ہے اس لئے انہیں بھی چاہیے کہ اپنے سجدوں کا رُخ پھیر لیں اور کانگریس سے جا ملیں۔ اس پر بعض حضرات اعتراض کر رہے ہیں کہ بڑے مرزا جی صاحب تو عمر بھر یہی الہام سناتے رہے کہ دیکھنا انگریز کی غلامی سے سرتابی نہ کرنا۔ اور اس الہام کی اس شد و مد سے تبلیغ کی کہ اس سے "چالیس الماریاں" بھر جائیں۔ اب یہ انکی اُمت کو کیا ہو گیا کہ ان الہاماتِ مقدسہ سے یوں باغی ہو رہی ہے۔ یہ تو بڑی "بے اصولی" بات ہے۔ لیکن ہمیں تو کافی غور کرنے کے بعد بھی پتہ نہ چلا کہ بالآخر اس میں "بے اصولی" کی کونسی بات ہے۔ یہ لوگ اصول کو خود نہیں سمجھے اور خواہ مخواہ خلیفہ صاحب اور انکی امت پر بے اصولی کا افترا باندھ

رہے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ روش عین اصول کے مطابق ہے۔ بڑے مرزا صاحب کے الہامات نے جو اصول بیان فرمایا تھا وہ یہ تھا کہ جو طاقت برسر اقتدار رہے اس کی غلامی اختیار کرو یہی اصل ایمان ہے۔ یہ اتفاق تھا کہ ان کے وقت میں انگریز برسر اقتدار تھا اس لئے انگریز کی غلامی جزو ایمان تھی۔ اب حالات بدل گئے۔ اقتدار انگریز سے چھین کر ہندو کے ہاتھ میں آرہا ہے۔ لہذا نظرتِ محکومانہ کے اس غیر متبدل اصول کے مطابق اب ہندو کی غلامی اختیار کرلینی چاہیے۔ اب فرمائیے اس میں بے اصولی کی کونسی بات ہوئی! ہمیں ان معترض حضرات کی یہ روش قطعاً پسند نہیں آئی کہ جوشِ مخالفت میں حقائق سے چشم پوشی اختیار کرلی جائے اور دوسروں پر غلط اتہام باندھ دیے جائیں۔ بات ایسی ہی کہو جو خدا لگتی ہو۔

"محکوم کے الہام" سے آپ کو اس غلامانہ ذہنیت کے سوا اور ملیگا کیا! یہ چیز تو آپ کو کسی اور ہی الہام میں ملے گی کہ خدا کے سوا غلامی کسی کی جائز نہیں خواہ وہ انگریز ہو خواہ ہندو۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

پریم اور شانتی کا مذہب

یہ ایک پُر مغز اور حقائق سے لبریز ۱۳ صفحہ کا رسالہ ہے جس میں ہندوستان کے مشہور اہل قلم جناب پرویز صاحب نے واقعات و دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دنیا کو

صلح و سلامتی اور امن

کا پیغام دیتا ہے اور آج مضطرب و بے چین دنیا کو جس تریاق کی تلاش ہے وہ صرف اسلام ہی کے دار الشفا سے تقسیم ہوتا ہے۔

تین پیسے کے محصول ڈاک ارسال کرنے پر رسالہ مفت ارسال کیا جاتا ہے۔

طلوع اسلام جید پریس بلی ماراں دہلی

تقریظات — ترجمان القرآن

مدیر اعلیٰ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سابق ایڈیٹر الجمعیۃ صفحات ۸۰ کتابت پسندیدہ و خوشنما کاغذ نفیس و اعلیٰ۔ قیمت سالانہ صرف ہر پرچہ ۸؍ دفتر رسالہ ترجمان القرآن دارالاسلام پٹھانکوٹ (پنجاب)

ترجمان القرآن ایک عالمانہ مجلہ ہے جو چھ سال سے مسلسل اسلام کی صحیح ترجمانی اور قرآن حکیم کی حکیمانہ دعوت کی نشر و تبلیغ کر رہا ہے۔ جن لوگوں کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی فکری اور اسلامی صلاحیتوں کا علم ہے ان کے لئے بس یہ کہنا ہی کافی ہے کہ آپ ہی ترجمان القرآن کے مدیر اعلیٰ ہیں خدائے تعالیٰ نے مولانا موصوف کو اس زمانہ میں اسلام کی صحیح خدمت اور ملت کی تجدید کیلئے بہرۂ وافر عطا فرمایا ہے۔ اور وہ شرح صدر، وہ اسلامی بصیرت اور تفقہ فی الدین دیا ہے جو مغربی الحاد کے دور میں ہر چیز کا صحیح ادراک کر کے قرآن کریم کی روشنی میں ہر مرض کا تریاق مہیا کرتا ہے۔ ترجمان القرآن کا موضوع قرآن حکیم ہے ایک طرف وہ کتاب الٰہی کی روشنی سے تاریک دلوں کو منور کر رہا ہے اور دوسری طرف فرنگی اور مغربی الحاد کے خلاف مسلسل جہاد کر کے مغربی فلسفہ کا رعب دلوں سے نکال رہا ہے۔

قرآن کریم کو منشاء الٰہی کے مطابق صحیح سمجھنا۔ صحیح اصولوں پر اسکی نشر و اشاعت کرنا اسلام کے خلاف باطل سرچشموں کا پتہ لگانا اور ان کو عقل سلیم کی حجت سے بند کرنا۔ اسلام کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی مخالفت سے مرعوب نہ ہونا۔ ذہنیتوں میں یکسر انقلاب پیدا کر دینا اور وقت کی مناسبت سے جملہ مشکلات کا حل قرآن کریم سے پیش کرنا۔ وغیرہ وہ خصوصیات ہیں جو بحمداللہ رسالہ ترجمان القرآن کو حاصل ہیں ہندوستان میں آجکل سیاسیات کے نام پر مسلمانوں میں جو گمراہی پھیلائی جا رہی ہے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس سے غافل نہیں ہیں اور کتاب و سنت کی روشنی میں مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی بھی فرما رہے ہیں۔ اس رسالہ کا مطالعہ ہر خیال کے مسلمانوں کے لئے از بس ضروری ہے۔ خصوصاً ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کے لئے جو فلسفہ جدیدہ، سائنس اور مغربی حکماء کی دانش فروشیوں سے مرعوب ہو چکے ہیں اور جنہوں نے مذہب کو عقل و دانش اور ترقی کے خلاف سمجھ لیا ہے۔ کالج اور یونیورسٹیوں کے طلباء اور اساتذہ کو اس رسالہ کا مطالعہ سب سے پہلے کرنا چاہیئے، بلحاظ

نصف الیمین: رسالہ ترجمان القرآن اور طلوع اسلام کے سالانہ [illegible]

رفتارِ زمانہ

فلسطین

فلسطین کا معاملہ ہنوز روز افزوں ہے۔ اضطرابات، قتل و غارتگری، فوج اور عربوں کا تصادم بدستور جاری ہے عربوں کو پھانسیاں دی جارہی ہیں۔ ان کو گرفتار کرکے قید و بند میں ڈالا جاتا ہے ان کی املاک کو ضبط کیا جارہا ہے ان سے تعزیری ٹیکس وصول کئے جارہے ہیں ان کے مکانات کو ڈائنامیٹ سے اڑایا جارہا ہے۔ ان کو مذہبی اوقاف کے مذہبی محکموں سے علیحدہ کرکے ان کی جگہ سرکاری آدمی مقرر کئے جارہے ہیں مسلمان عہدیداروں کو برطرف کیا جارہا ہے اور وہ سب کچھ ہورہا ہے جو انسانیت اور تہذیب کے لئے ننگ و عار ہے۔

بیچارے عرب جن پر یہودیوں کو مسلط کردیا گیا ہے سخت پریشان اور مجبور ہیں اور وہ "مرتا کیا نہ کرتا" کی مثل کے مطابق مرنے اور مارنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ چنانچہ ان کا ہر روز برطانی فوج کے ساتھ تصادم ہوتا ہے طرفین سے گولیاں چلائی جارہی ہیں۔ بم کے گولے برسائے جارہے ہیں اور ہوائی جہازوں سے بمباری کرکے عربوں کا نام و نشان مٹایا جارہا ہے اس مہینہ میں فلسطین کی حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے فلسطین کے وسیع رقبہ پر فوج اور ہوائی جہازوں کی طاقت سے قبضہ کرنے کی اسکیم پر عمل درآمد شروع کردیا ہے۔ تمام ملک میں فوج پھیل گئی ہے اور یہ امید کیجارہی ہے کہ ان تمام عربوں کو جو حکومت کی نظر میں باغی کہلاتے ہیں زور و طاقت سے زیر کرلیا جائے گا۔ عربوں کے سامان رسد کو روکنے کے لئے پولیس اور فوج کو سمریہ اور گلیلی کے علاقہ میں متعین کردیا گیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اطالوی حکومت جو فلسطین کے معاملات سے خاص دلچسپی لے رہی تھی اور تقسیم کے خلاف آواز بلند کررہی تھی وہ اب بالکل خاموش ہے!

واقعہ یہ ہے کہ برطانی اطالوی معاہدہ میں جو حسال ہی میں منعقد ہوا ہے۔ یہ طے ہو چکا ہے کہ اٹلی تقسیم فلسطین کی مخالفت نہیں کریگا اور حکومت برطانیہ اس سلسلہ میں جب کبھی کوئی تجویز مجلس اقوام میں پیش کریگی، اٹلی اس کی پرزور حمایت کریگا۔

یہی وجہ ہے کہ یہودی قوم اس معاہدہ سے بہت خوش ہے چنانچہ ایک یہودی اخبار لکھتا ہے کہ یہودیوں کی رائے عامہ نے لندن اور روم کے مابین اتحاد کا خوشی و گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا ہے کیونکہ یہودیوں کو امید ہے کہ یہودی عزائم کو بروئے کار آنے سے جو چیز سب سے زیادہ روک رہی تھی وہ اس معاہدہ سے ختم ہو جاتی ہے۔ اب آئندہ یہودی اپنے ارادوں کو آسانی کیساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچا سکیں گے۔

عربوں کو یہ حالات معلوم ہیں اور ان کو اپنا مستقبل صاف نظر آرہا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ فلسطین کی تقسیم سے برطانیہ کا مقصد کیا ہے اور اس پردہ میں عربوں کو کس طرح فنا کیا جارہا ہے چنانچہ وہ بھی اپنی جگہ مختلف تجاویز پر غور کر رہے ہیں، مگر مظلوموں اور محکوموں کی تجاویز کیا اور ان پر عمل درآمد کیسا؟ تاہم فلسطین کے چند سرکردہ عربوں نے مسٹر چیمبرلین کو ایک یادداشت بھیجی ہے جس میں لکھا ہے کہ وہ یہودی لیڈر ڈاکٹر وزمین پر اس بات کا زور ڈالیں کہ وہ یہودیوں اور عربوں کی گفت وشنید میں ضرور شریک ہوں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ مصالحت کی بنا یہی ہوسکتی ہے کہ فلسطین میں عرب سلطنت قائم کی جائے اور اس میں یہودیوں کو اقلیتوں کے حقوق حاصل ہوں۔

چند روز کے اندر اندر حکومت برطانیہ کے نام دو بڑی شخصیتوں نے فلسطین کے بارے میں جو مکتوب ارسال کئے ہیں ان کو سیاسی حلقوں میں خاص اہمیت دیجارہی ہے۔ ایک مکتوب امام یمن کا ہے جو ملک معظم کی حکومت کے نام بھیجا گیا ہے۔ دوسرا مکتوب شیخ المصطفٰی المراغی شیخ الازہر کا ہے جو وزیراعظم مصر کے نام ارسال کیا گیا ہے۔ ہم یہاں دونوں مکتوبوں کا خلاصہ درج کرتے ہیں

امام یمن اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:-

فلسطین کا معاملہ عالم اسلامی کے لئے تمام امور سے زیادہ اہم ہے سب سے پہلے یہ واضح

کردینا ضروری ہے کہ حکومت امام یمن ان تمام نتائج اور ضروریات سے باخبر ہے جن کی بنا پر دولت برطانیہ فلسطین کو اپنے اقتدار میں رکھنا چاہتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ برطانیہ اپنی نوآبادیات سے علاقہ مواصلات قائم رکھنے کے لئے فلسطین کو محفوظ راستہ بنانے کی زبردست خواہش رکھتی ہے لیکن ان تمام ضروریات کے مقابلہ میں بھی میرا اعتقاد ہے کہ حکومت کو عربوں کے جذبات وعواطف کا احترام کرنا پڑے گا، فلسطین بہرحال عربوں کا وطن ہے ایسا وطن جہاں صدیوں تک انہوں نے اسلامی شان وشوکت کے ساتھ جہانبانی کی ہے۔ ہم اس بات کو قرین انصاف سمجھتے ہیں کہ فلسطین کے مسلمان اور عیسائی، برطانیہ سے مصر اور عراق کی طرح ایک معاہدہ کرلیں۔ اب رہا فلسطین میں باہر سے آنے والے یہودیوں کا معاملہ تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان اور عیسائی شریفانہ جذبات کی بنا پر ان یہودیوں کو برطانیہ کی حمایت میں تسلیم کریں گے مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہودی مہاجرت کی ایک حد مقرر کر دیجئے

حکومت یمن یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہے کہ عربوں کو فلسطین سے جلا وطن کر کے اور دنیا کے تمام مسلمانوں اور عیسائیوں کے جذبات کو ٹھکرا کر یہودیوں کو فلسطین میں بسانا اور ان کی حکومت قائم کرنا ایک نہ ٹوٹنے والے سلسلہ فسادات اور ایک نہ ختم ہونے والا ہنگامہ قتل وغارت کے سوا کچھ پیدا نہیں کرسکتا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اسلام کی یہ توہین کی گئی تو باقی دنیا بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گی۔ ہماری خواہش ہے کہ حضارت وتمدن کی حامی حکومت برطانیہ تاریخ عالم کے اس صفحہ کو اپنے ہاتھ سے نہ لکھے۔

وزیر اعظم مصر کے نام شیخ ازہر کا مکتوب اور اس کا جواب حسب ذیل ہے۔

فلسطین کا معاملہ طویل سے طویل ہوتا جارہا ہے یہ مسئلہ فلسطین والوں کے لئے وطنی مسئلہ نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا دینی مسئلہ ہے اور مسجد اقصی اور اس کی حرمت کی حفاظت تمام مسلمانوں کا دینی وملی فریضہ ہے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا کے تمام مسلمانوں پر مسجد اقصی کی اس بےحرمتی کا کیا اثر ہورہا ہے۔ اس مسئلہ کا حل کرنا انسانیت اور انسانی تمدن کی سب سے بڑی

خدمت ہے۔ اور برطانی حکومت کا فریضہ ہے کہ فلسطین والوں کو ان کے وطنی حقوق کیطرف سے مطمئن کرے۔

اس کے جواب میں وزیراعظم مصر نے جو مکتوب ارسال کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ حکومت مصر اس قضیہ کو حل کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش عمل میں لائے گی۔ مصر ہمیشہ سے یہ کوشش کر رہا ہے کہ اس مسئلہ کا ایسا حل دریافت کیا جائے جو اہل فلسطین کے لئے قابل قبول ہو۔ میں یقینا انشاء اللہ اس مسئلہ میں دخل دوں گا۔ کہ خون ریزی کا یہ دور ختم ہو جائے۔ مجھ پر انسانیت اور جوار دونوں کے علاوہ مذہبی فرض بھی عائد ہوتا ہے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری کوششوں کو کامیاب کرے۔

ترکی

حکومت ترکیہ کی سیاست میں جو اہم واقعہ رونما ہوا ہے وہ اسکندرونہ کے انتخابات ہیں جس میں ترکوں کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور عربوں کو شکست اٹھانی پڑی۔

اسکندرونہ اور انطاکیہ حکومت شام کی زیر سیادت تھے اور چونکہ آبادی کے لحاظ سے عربوں کو عددی کثرت حاصل تھی اس لئے ان پر ان کی سیادت حق بجانب بھی تھی مگر ترکوں نے معاہدہ لوزان کی بعض دفعات کی تشریح کرتے ہوئے اسکندرونہ پر اپنا حق ظاہر کیا اور اس پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مگر چونکہ شام ابھی تک فرانس کے زیر اثر ہے اور اسکی آزادی صرف نام کی آزادی ہے اس لئے ترکوں کی مداخلت پر فرانس نے زبردست احتجاج کیا اور عربوں کو ترکوں کے خلاف بھڑکا کر اپنا مطلب نکالنا چاہا مگر ترک نہ فرانس سے مرعوب ہوئے اور نہ عربوں کے احتجاج سے متاثر۔ انہوں نے اسکندرونہ پر اپنی افواج بھیجدیں اور معاملہ نازک صورت اختیار کر گیا۔ ترکوں اور عربوں میں تصادم بھی ہوئے اور بہت سے عرب اور ترک ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے گئے ترکی اخبارات نے اس دوران میں فرانس اور جمعیۃ اقوام کے خلاف سخت اور شدید مضامین لکھے اور فرانس کو متنبہ کر دیا کہ اگر وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئیگا

تو ترکوں کو مجبوراً میدان میں آنا پڑے گا۔ آخر خدا خدا کر کے جمعیۃ اقوام کی مداخلت سے اسکندرونہ پر ترکوں کا حق سیادت تسلیم کر لیا گیا

مگر اب انتخابات کے سلسلہ میں اسکندرونہ اور انطاکیہ میں پھر گڑبڑ ہو گئی ہے اور ترکوں نے مسلح کاروں اور ٹنکوں کے ذریعہ انطاکیہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس مظاہرہ میں ایک بم بھی پھٹا جس سے ایک عورت ہلاک اور ایک مکان منہدم ہو گیا اس سلسلہ میں عربی اخبارات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلح ترکوں کے ہاتھوں چار اشخاص اور ہلاک ہو گئے۔ ترکی حکام نے شہر میں مسلح فوج متعین کر دی ہے اور اسکندرونہ میں مارشل لا جاری کر دیا ہے۔

آجکل ترکی حکومت بحری اور ہوائی جہازوں کو ترقی دینے کے مسئلے پر بہت زیادہ غور کر رہی ہے۔ ترکی کارخانوں میں بحری جہاز اور آبدوز کشتیاں تعمیر ہو رہی ہیں اور ہوائی جہازوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ گذشتہ کئی ماہ سے ترکی حکومت نے اپنے بحری پروگرام کے مطابق جنگی جہازوں کی سیاحت کا بھی انتظام کیا ہے چنانچہ ۸ رجون کو مشہور جہاز حمیدیہ آٹھ سو ترکی بحری افسروں کو لیکر دنیا کی سیاحت کے لئے روانہ ہوا اور ۱۶ رجون کو اسکندریہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا حکومت مصر نے سرکاری طور پر اس کا استقبال کیا۔ یہ جہاز اسکندریہ میں ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد یورپ، امریکہ، افریقہ، جاپان اور ہندوستان کی مختلف بندرگاہوں کی سیاحت کے لئے روانہ ہو جائے گا۔

ترکی پارلیمنٹ نے اسلحہ اور ہوائی بیڑہ میں اضافہ کے لئے ۲۱ لاکھ پونڈ کی منظوری دیکر اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ ترکی حکومت بھی یورپ کی تیاریوں سے غافل نہیں ہے چنانچہ ترکی وزیر جنگ نے اپنی ایک تقریر میں یہ بھی کہدیا ہے کہ اس وقت ترکی حکومت کی قوت مدافعت دنیا کی کسی حکومت سے کم نہیں ہے۔

ٹیونس

ٹیونس اور مراکش کے عربوں پر فرانس کے مظالم روز بڑھتے جا رہے ہیں۔ خرابی یہ ہے

کہ وہاں کے عربوں میں حکومت خود اختیاری اور آزادی کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے اور فرانس تمام چیزیں برداشت کرسکتا ہے۔ مگر مذہبی اور قومی شعور کی بیداری کو برداشت نہیں کرسکتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہاں فوج اور عربوں میں آئے دن تصادم ہوتا رہتا ہے۔ جس میں حکومت کا تو کچھ نہیں بگڑتا بیچارے عرب ہی جان و مال کا نقصان برداشت کررہے ہیں۔

طنجہ کا اخبار کوکب آخری تصادم کی تفصیلات بیان کرتا ہوا لکھتا ہے کہ سبز پوش عربوں کی جماعت کو فرانس نے جب خلاف قانون قرار دیدیا تو تمام عربوں میں سخت اضطراب پھیل گیا اور ان کا ایک بڑا گروہ ریذیڈنٹ جنرل کی کوٹھی پر جمع ہوگیا اگرچہ اس طرح کا اجتماع قریب قریب ناممکن تھا مگر سبز پوشوں نے یہ ترکیب کی کہ دو دو چار چار کرکے مقر حکومت کی طرف گئے اور جب تقریباً تین ہزار عرب جمع ہوگئے تو محافظ فوج کو خبر ہوئی اور اس نے موقعہ پر آکر ان کو منتشر کرنا چاہا مگر وہ یلغار کرکے گورنمنٹ ہاؤس میں گھس گئے اور ریذیڈنٹ جنرل کو تلاش کرنے لگے۔ اتفاق سے ریذیڈنٹ ہاؤس میں موجود نہ تھے ورنہ ان کی جان کو سخت اندیشہ تھا۔ اس عرصہ میں فوج نے ان کو منتشر کرنا چاہا مگر وہ منتشر نہ ہوئے اور کمانڈنگ افسر کی ہدایت پر ان پر حملہ کیا گیا جس میں ۳۷ عرب شہید اور ۱۵۰ زخمی ہوئے۔

تیونس کے فرانسیسی حکام زعمار عرب کو گرفتار کرکے طویل سزائیں دے رہے ہیں تاکہ تحریک آزادی سرد پڑ جائے۔ عربوں کے لئے ایک نیا جیل تعمیر کیا گیا ہے جس میں ۴۴۰ بے گناہ عربوں کو محبوس کردیا گیا ہے۔ طنجہ۔ دار بیضا اور دیگر مقامات کے ۱۸ عربوں کو شبہ کی علت میں گرفتار کرکے مختلف میعاد کی سزائیں دیدی گئی ہیں جن کی مجموعی مدت ۲۹ سال ہوتی ہے اور ساتھ ہی مختلف مقدار میں جرمانے بھی کئے گئے ہیں جن کی مجموعی رقم بیس ہزار فرانک ہوتی ہے۔ غرض الجزائر کی حالت سخت ناگفتہ بہ ہے ایک طرف فرانس نے عربوں کو فنا کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ دوسری طرف عربوں نے آزادی حاصل کرنے

کی قسم کھائی ہے اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے وھو علی کل شیء قدیر

مصر

انتخابات کے بعد آجکل مصر میں مصری شاہزادی فوزیہ (جو شاہ فاروق والئی مصر کی ہمشیرہ ہیں) اور ایرانی شاہزادہ شاپور کی شادی دلچسپ موضوع بنی ہوئی ہے گو سرکاری طور پر اس نسبت کی تصدیق کردی گئی ہے۔ مگر مصر کے بعض علماء اہل سنت نے اس نسبت پر اعتراض کیا ہے کہ شاہزادہ شیعہ مذہب رکھتا ہے۔ لیکن اس کو زیادہ نمایاں نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شاہزادہ اور ان کے والد شاہ پہلوی عملاً شیعہ نہیں ہیں رضا شاہ نے ایران میں مجالس ماتم اور تبرا بند کردیا ہے اور فقہ حنفی کے مطابق تعلیم کا نظام مقرر کردیا ہے۔ ولی عہد ایران نہایت حسین وشکیل نوجوان اور کئی زبانوں کے ماہر ہیں۔ شاہزادی فوزیہ جو گیسو دراز شہزادی کہلاتی ہیں اعلیٰ سیرت اور پختہ کیرکٹر میں مشہور ہیں۔

ضروری اطلاع

کتاب معارف القرآن " ماہ جون کے پرچہ سے مسلسل شائع ہو رہی ہے جون کے پرچہ میں اس کا مفصل ومبسوط مقدمہ درج ہوا تھا۔ وہ پرچہ دفتر میں ختم ہوگیا ہے۔ لیکن ان خریدار حضرات کی خاطر جو معارف القرآن کا مکمل فائل رکھنا چاہیں۔ اس مقدمہ کی الگ کاپیاں چھپوالی گئی ہیں۔ جو طلب فرمانے پر ارسال کردی جائیں گی۔ منیجر طلوع اسلام دہلی

جملہ حقوق محفوظ

معارف القرآن

الٰہ

آپ تاریخ انسانی کے کسی دَور میں سے گزریئے اور روئے زمین کے کسی خطہ پر نگاہ ڈالیے ایک چیز آپ کو بلا لحاظِ زمان و مکان تمام نوع انسانی کے اندر مشترک نظر آئے گی یعنی کسی بلند و بالاتر ہستی کا تصور۔ کسی ما فوق البشر ذات کے وجود کا احساس۔ آپ دُنیا کے کسی ایسے جزیرہ میں چلے جائیے جہاں اِس سے پیشتر بیرونی حصۂ زمین کے کسی انسان کا قدم نہ پڑا ہو۔ وہاں بھی اگر دو چار انسان بستے ہونگے تو آپ دیکھیں گے کہ اُن کی زندگی کا خواہ ہر ایک پہلو دوسرے عالم انسانیت سے مختلف ہو لیکن اس قدرِ مشترک میں وہ بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ ہونگے۔ انھوں نے بھی کچھ نہ کچھ تجویز کر رکھا ہوگا۔ جسکے سامنے وہ جھکتے ہونگے جسے وہ اپنے سے بُلند و بالاتر قوتوں والا سمجھتے ہونگے۔ اس اجمال کی تفصیل تو ہم "دین فطرت" کے عنوان میں بیان کریں گے۔ یہاں اتنا اشارہ ہی کافی ہے اُس اعلیٰ و ارفع ہستی کو جس کا احساس وجدانی طور پر فطرت انسانی کے اندر موجود ہے الٰہ کہا گیا ہے۔ یعنی وہ ذات جس کی عبادت کی جائے، جسکے سامنے جھکا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ احساس فطرتِ انسانی کے اندر موجود ہے تو اس سے مفہوم بھی خالق فطرت کا تصور ہونا چاہیئے لیکن جس طرح گوناگوں اسباب و اثرات، فطرت انسانی پر قسم قسم کے پردے ڈال کر اسے کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں، اسی طرح الٰہ کا یہ فطری تصور بھی رنگا رنگ کے پردوں اور قسم قسم کے لباسوں میں گم ہو کر کہیں سے کہیں پہنچتا رہا ہے۔ حتے کہ بعض اوقات فطرت

صیحوانِ خارجی پردوں کے نیچے کچھ اس اندازسے دَب جاتی ہے کہ اس کی آواز بھی باہر نہیں آسکتی اور یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان کسی ایسی ذات کے وجود سے بھی انکار کر بیٹھتا ہے۔ فطرتِ صالحہ کو اِن خارجی پردوں سے بے نقاب کرنے کے لیے۔ اسے بیرونی اثرات کے طوق و سلاسل سے آزاد کرنے کے لیے۔ وقتاً فوقتاً خدا کیطرف سے آسمانی ہدایت آتی رہی۔ جو سچ کو جھوٹ سے۔ حقیقت کو فریب سے۔ حق کو باطل سے، اصل کو نقل سے، الگ کرکے۔ نکھار کر۔ انسانوں کے سامنے رکھتی رہی تاکہ اُنہیں معلوم ہو جائے کہ وہ حقیقی اِلٰہ جس کا احساس فطری طور پر اُنکے اندر موجود ہے۔ کون ہے اور کیسا ہے لیکن محسوسات کا خوگر انسان تھوڑے ہی وقت میں اس حقیقت مجردہ کو بھلا دیتا تھا۔ اور الوہیت کے اس صاف اور شفاف تصور میں مجازی رنگ آمیزی کر دیتا تھا۔ کبھی وہ جن چیزوں سے ڈرتا۔ انہیں اپنا معبود بنا لیتا۔ کبھی جنکے ساتھ کچھ توقعات وابستہ کرتا۔ انہیں اِلٰہ تصور کرلیتا۔ پھران ذہنی اور خیالی معبودوں کی عظمتُ تقدس کے لحاظ سے اُنکے مجسمے کھڑے کرتا۔ بُت تراشتا۔ یہ مختلف دیوی۔ دیوتا۔ یہ اندرا گنی۔ سورج۔ چاند۔ گنگا۔ جمنا۔ شیر، سانپ، گائے، بیل۔ برگد، پیپل۔ سب اسی جذبۂ خوف واُمید کے اظہار کی مختلف شکلیں ہیں، جس سے خوف پیدا ہوا اُسکے سامنے جُھک گئے۔ جس سے کچھ اُمیدیں وابستہ ہوئیں اسکے حضور سرنگوں ہوگئے لیکن یہ سب کچھ اس فطرتِ صالحہ کے خلاف تھا جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اِس لیے کہ انسان کو تو پیدا ہی اِس لیے کیا گیا تھا کہ وہ فطرت کی ان تمام چیزوں سے کام لے۔ اُن کو تابع فرمان بنائے۔ اُنکو مسخر کرے۔ اُن پر حکومت کرے۔ یہ سمندروں کی شورانگیزیاں۔ یہ پہاڑوں کی گراں سامانیاں، یہ تحت الثریٰ کی آتش فشانیاں، یہ اوجِ ثریا کی طلعت آفرینیاں۔ یہ خوفناک صحراؤں کی بربریت یہ ہولناک جنگلوں کی سبعیت۔ یہ دریاؤں کی وحشت خیز روانیاں، یہ ہواؤں کی تند و تیز جولانیاں۔ یہ زمین یہ آسمان، یہ چاند۔ یہ سورج یہ ستارے، سب اُسکے

سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں۔ سب اسکے خدمت گزار ہوں۔ اور یہ انکا مخدوم ہو جب حقیقت یہ ہو تو پھر ان چیزوں کے سامنے جھکنا کیسا۔ ان کو إلٰہ بنانا کہاں کا۔ انہی غیر فطری تصورات کو مٹانے کے لیئے خدا کیطرف سے ہدایت آتی رہی اور انسان کو کہتا تی رہی کہ إلٰہ بننے کے لائق صرف وہ ذات ہوسکتی ہے۔ جو ان تمام سے بلند و بالاتر ہو۔ جو اس تمام نظام کائنات کی مالک و مختار ہو۔ اور وہ ذات خدا کی ذات ہو یہی تعلیم سب سے پہلی بار خدا کیطرف سے آئی اور یہی سب سے آخر۔ چنانچہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کو دو لفظوں میں بیان کرنا چاہیئے تو وہ نہایت اطمینان سے کہہ سکتا ہے کہ قرآن کریم جو اولیں پیغام نوع انسانی کو دینا چاہتا ہے وہ لا إلٰہ إلّا اللّٰہ ہے۔ اس کلمہ کے دو حصے ہیں۔ ایک سلبی۔ یعنی اس امر کا یقین۔ اس حقیقت کا اعتراف کہ دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں جسکے سامنے جھکا جائے جس کی غلامی اختیار کیجائے۔ جسے آقا تسلیم کیا جائے۔ جسے اپنی حاجات کا قبلۂ مقصود سمجھا جائے۔ یہ نفی کا پہلو ہے۔ تخریبی پہلو ہے یعنے جو کچھ پہلے ذہن میں موجود ہوا سے مٹا دینا ہوگا۔ بھلا دینا ہوگا۔ جب زمین یوں صاف ہو جائے تو پھر اس پر ایک نئی عمارت تعمیر ہوگی۔ پھر ایجابی پہلو آئے گا۔ تمام قوتوں کے انکار کے بعد اس امر کا اقرار آئے گا کہ ہاں! مگر ایک قوت ایسی ہے جس کی غلامی اختیار کرنا ضروری ہے جسکے سامنے جھکنا زیبا ہے۔ اور جسے اللہ کہتے ہیں۔ تمام قوتوں کو راستے سے ہٹا کر یوں خدا اور بندے کا براہ راست تعلق پیدا کردینا۔ یہ ہے قرآن کریم کی بنیادی تعلیم اور چونکہ قرآن کریم کی اصولی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں بلکہ وہی پیغام ازلی ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہ کی وساطت سے دنیا کو ملتا رہا ہے۔ اس لیئے اس سلسلہ رشد و ہدایت کی شروع سے یہی تعلیم رہی ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے یہی تعلیم پیش کی۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ

یقیناً ہم نے نوحؑ کو اُس کی قوم کیطرف بھیجا۔ سو اُسنے کہاکہ اے میری قوم
(صرف) اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لیے اسکے سوا اور کوئی اِلٰہ نہیں ہے ۷/۵۹

یہی الفاظ سورۂ مومنون میں ہیں ۲۳/۲۳

قوم نوحؑ کے بعد جو رسول آئے اُنکی بھی یہی تعلیم تھی۔

فَاَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ

پھر ہمنے ان میں اُنہی میں سے رسول بھیجے (جو یہ تعلیم دیتے تھے کہ) خدا کی عبودیت
اختیار کرو۔ اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم تقویٰ نہیں اختیار کرتے ۲۳/۳۲

حضرت ہودؑ نے بھی یہی فرمایا:۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ

کہاکہ اے میری قوم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارے لیے کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ ۷/۶۵

یہی الفاظ سورۂ ہود میں ہیں ۱۱/۵۰

حضرت صالحؑ کی بھی یہی تعلیم تھی:۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

کہاکہ اے میری قوم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے ۷/۷۳

یہی الفاظ سورۂ ہود میں ہیں ۱۱/۶۱

یہی حضرت شعیبؑ نے فرمایا:۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

کہاکہ اے میری قوم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے ۷/۸۵

یہی الفاظ سورۂ ہود میں ہیں۔ ۱۱/۸۴

حضرت الیاسؑ نے اپنی قوم سے فرمایا

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ اللّٰهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ

کیا تم لوگ بعل کو خدا بنا رہے ہو اور خدائے حقیقی کو چھوڑ رہے ہو اللہ تمہارا اور

تمہارے آبا و اجداد کا رب ہے ۳۷/۱۲۵-۱۲۶

حضرت یعقوبؑ نے اپنے آخری وقت میں یہی اقرار اپنے بیٹوں سے لیا۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

کیا تم اسوقت موجود تھے جب یعقوبؑ کا آخری وقت آیا اور اُسنے اپنے بیٹوں

سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس چیز کی پرستش کروگے انھوں نے کہا کہ ہم تیرے

الٰہ اور تیرے باپ دادا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق کے الٰہ کی پرستش کرینگے۔ وہی الٰہ

جو ایک ہے اور ہم اُسکے تابع فرمان (مُسلم) ہیں ۲/۱۳۳

حضرت ذُالنونؑ نے بھی یہی پکارا تھا۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

اور ذالنون (حضرت یونس مچھلی والے) جب (اپنی قوم سے) خفا ہوکر چل دیا اور

اُسنے یہ خیال کیا کہ ہم (اسکے اس طرح چلے جانے پر) دارو گیر نہ کرینگے۔ تو اُسنے اندھیروں

میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ تو پاک ہے میں بے شک زیادتی کرنیوالوں میں سے ہوں ۲۱/۸۷

حضرت موسےؑ نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا جب انھوں نے درخواست کی کہ انہیں پرستش

کے لیئے ایک بُت بنوادیں۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

کہا کہ کیا اللہ کے سوا کسی اور کو تمہارا معبود تجویز کردوں حالانکہ اُسنے تمہیں تمام

جہان والوں پر فضیلت دی ہے ۷/۱۴۰

اس لیے کہ انہیں بارگہ صمدیت سے جلوہ گاہ طور پر یہی ارشاد ہوا تھا

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي

یقیناً میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی اور الٰہ نہیں پس میری ہی عبادت کرو

اور مجھے یاد کرنے کے لیے نماز قایم کرو $\frac{20}{14}$

(عبادت اور صلوٰۃ کی تشریح متعلقہ عنوانوں میں ملے گی)

اور یہی تعلیم حضرت عیسےٰؑ کی تھی جس کا اقرار وہ خدا کے حضور کرینگے. فرمایا:۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ

جب اللہ کہے گا کہ اے عیسےٰ بن مریم کیا تمنے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو. تو وہ کہے گا کہ (معاذ اللہ) میں تجھے (شرک سے) پاک سمجھتا ہوں یہ میرے لیے کب زیبا تھا کہ میں ایسی بات کہتا جسکے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا تھا. اگر میںنے کہا ہوگا تو تجھے اسکا (یقیناً) علم ہوگا. تو تو میرے دل کی بات بھی جانتا ہے اور جو کچھ تیرے علم میں ہے میں اُسے نہیں جانتا تو سب غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے $\frac{5}{116}$

اور یہی تعلیم محفوظ اور مکمل شکل میں نبی اکرم صلعم کی وساطت سے تمام نوع انسانی تک پہنچائی گئی فرمایا

أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ قُل لَّا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ

کیا تم (سچ مچ) اس امر کی شہادت دیتے ہو (یقین رکھتے ہو) کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہیں. کہو کہ میں تو ایسی شہادت نہیں دیتا. کہو کہ وہ تو ایک الٰہ ہے اور میں یقیناً تمہارے شرک سے بری ہوں $\frac{6}{19}$

سورۂ توبہ میں ہے کہ:۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

اگر یہ لوگ اعراض کریں تو کہہ دیجئے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے اسکے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں میں اُسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ ۹/۱۲۹

سورۂ رعد میں ہے:۔

قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ

کہو کہ وہ میرا رب ہے اسکے سوا کوئی اور معبود نہیں اُسی پر بھروسہ ہے اور اسی کی طرف رجوع کرنا۔ ۱۳/۳۰

یہ تعلیم بذریعہ وحی نازل ہوئی تھی:۔

قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

کہو کہ مجھ پر تو یہ وحی ہوئی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود (وہ) الٰہ واحد ہے۔ تو کیا تم اُسکے سامنے جھکتے ہو یا نہیں! ۲۱/۱۰۸

اس وحی کا دوسری جگہ یوں ذکر ہے:۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

کہو کہ میں تو یقیناً تمہارے جیسا ایک انسان ہوں مجھ پر یہ وحی ہوئی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود وہی الٰہ واحد ہے.... ۱۸/۱۱۰

پھر فرمایا:۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

کہئے کہ میں تو صرف ایک آگاہ کرنیوالا ہوں اور اللہ واحد قہار کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے ۳۸/۶۵

اسی تعلیم پر ان الفاظ میں زور دیا گیا ہے۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

پس یاد رکھو کہ اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔ ۴۷/۱۹

دوسری جگہ ہے ۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

اللہ وہ ہے کہ جسکے سوا کوئی اور معبود نہیں اور ایمان رکھنے والے اللہ پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں ۶۴/۱۳

یہ تو الگ الگ رسولوں کا ذکر تھا۔ مجموعی طور پر فرمایا :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا جس پر یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی اور الٰہ نہیں پس میری ہی عبودیت اختیار کرو ۲۱/۲۵

اس سے معلوم ہو گیا کہ جو تعلیم سلسلۂ انبیاء کرامؑ کی وساطت سے خدا کی طرف سے ملتی رہی وہ اُسی ایک الٰہ کی پرستش کی تعلیم تھی۔ جہاں جہاں اس تعلیم میں خرابیاں واقع ہوئی ہیں وہ سب انسانی دماغوں کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ صحیح خدا کی تعلیم تو وہی تھی جو فطرت انسانی کے مطابق تھی، وہ تعلیم کہ جسکے حقیقت ثابتہ ہونے پر خود خدا شاہد ہے اُسکے فرشتے شاہد ہیں ہر وہ صاحب علم شاہد ہے جس کی فطرت صالحہ اعتدال کے نقطہ پر ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

اللہ اس پر شاہد ہے کہ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں اور ملائکہ اور صاحبان علم جو عدل پر قایم ہیں اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ زبردست حکمت والا ہے ۳/۲

انہی کے متعلق دوسری جگہ ہے ۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ

قسم ہے ان فرشتوں کی (یا وہ فرشتے شاہد ہیں) جو صف بستہ ہوتے ہیں پھر

وہ جو بندش کرنیوالے ہیں پھر وہ جو ذکر کی تلاوت کرتے ہیں کہ تمہارا معبود برحق ایک ہے آسمانوں اور زمین کا
اور جو کچھ اُنکے درمیان ہے اسکا پروردگار اور طلوع کے مواقع کا رب ۳۷/۵ ۔

چونکہ جو تعلیم فطرتِ انسانی کے مطابق ہوگی اُسکا اعتدال پر ہونا لازمی ہے۔ اِس لیئے توحید کی تعلیم کے شاہد بھی وہ حضرات ہونگے جو ایک طرف علم رکھتے ہونگے اور پھر افراط و تفریط سے بچ کر نقطۂ اعتدال پر قایم ہونگے۔ علم اور اعتدال ان دو لفظوں کے اندر رموزِ کائنات کی تمام حقیقتیں سمیٹ کر رکھ دی ہیں ان کی تشریح اپنے اپنے مقام پر ملے گی۔ یہاں صرف اتنا ہی دیکھنا ہے کہ علم اور عدل کا تقاضا ہے کہ انسان صرف اللہ کو الٰہ مانے اور بس۔ یہی اِسلام ہے یعنی خدا کا ازلی پیغام۔ آل عمران کی آیت مذکورہ صدر سے اگلی آیت ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔

دین اللہ کے نزدیک اِسلام ہے ۳/۱۸

اور یہ اِسلام آج دُنیا میں صرف قرآن کریم کے اندر موجود ہے اُسکے باہر اور کہیں اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں اس لیئے کہ جیسا آئندہ چل کر معلوم ہوگا۔ دُنیا کی ہر قوم نے اِس پیغام ازلی میں ذہن انسانی کی اختراعات اور تحریفات کی آمیزش کر ڈالی اور شمع کی صاف روشنی فانوسوں کے رنگ میں گم ہو کر رہ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تصور کہ وہ الٰہ کیسا ہے۔ آپ کو اپنی مُنزّہ شکل میں صرف قرآن کریم کے اندر مل سکے گا وہ الٰہ جسکے متعلق فرمایا۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

اور تمہارا الٰہ وہ الٰہ واحد ہے۔ اسکے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ اور وہ رحمٰن اور
رحیم ہے (۱) ۲/۱۶۳

---

(۱) یہ شمار صفات الٰہی کے ہیں ۱۲

رحمتوں اور عنایتوں کا بادشاہ۔ لطف وکرم کرنیوالا خدا۔ وہ خدا جسکے متعلق ارشاد ہے:۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(ترجمہ)

اللہ وہ ہے کہ جسکے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ غیب وشہادت (حاضر وغائب) کا جاننے والا (۲) وہ رحمٰن ورحیم۔ اللہ وہ ہے جسکے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ وہ شہنشاہِ حقیقی (۳) قدوس (ہر عیب سے پاکیزہ (۴) سلامتی والا (۵) امن دینے والا (۶) نگہبان (۷) غالب (۸) زبردست (۹) بڑی عظمت والا (۱۰) اللہ لوگوں کے شرک سے پاک ہے (۱۱) وہ اللہ جو پیدا کرنیوالا ہے (۱۲) ٹھیک ٹھیک بنانیوالا ہے (۱۳) صورت گر (بہترین ہیئت کذائی عطا کرنیوالا (۱۴) سب اچھے اچھے نام (تمام عمدہ صفات) اسی کے لیے ہیں (۱۵) زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں (۱۶) اور زبردست حکمت والا ہے $\frac{59}{22-24}$

وہ اِلٰہ جس کی صفات یہ ہیں:۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

(۱۷) اللہ وہ ہے جسکے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ زندہ۔ (۱۸) قایم (۱۹) (سب کو قایم رکھنے والا) نہ اُسے اونگھ دبا سکتی ہے نہ نیند (۲۰) زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اُسیکا ہے (۲۱) ایسا کون ہے جو اُسکے حضور (کسی کی) سفارش کرسکے بغیر اس کی اجازت کے (۲۲) وہ تمام حاضر و غائب حالات کو جانتا ہے (۲۳) اور (انسان یا تمام موجودات کائنات) اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ مگر جتنا کچھ وہ چاہے (۲۴) اس کا علم و قدرت آسمانوں اور زمین کو محیط ہے (۲۵) اور ان کی نگہبانی اس پر کچھ بھی گراں نہیں گزرتی (۲۶) اور وہ بلند و بالاتر عظیم المرتبت ہے (۲۷) ۲/۲۵۵

ایک زندہ اور پائندہ خدا۔ جیتا جاگتا۔ ازلی و ابدی۔ قایم و دایم۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

اللہ وہ ہے جسکے سوا کوئی اِلٰہ نہیں۔ وہ حیّ و قیوم ہے ۳/۲

انسان معبود اس کو بناتا ہے جسکے متعلق سمجھتا ہے کہ اُسکے اختیار میں کچھ قوتیں ہیں لیکن یہ غلط ہے۔ واہمہ ہے۔ سب کچھ اسی ایک اِلٰہ کے قبضۂ قدرت میں ہے فرمایا

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ

کہو کہ کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا کہ اگر اللہ تمہاری سماعت اور بصارت کو چھین لے تمہارے دلوں پر مُہر لگا دے۔ تو اللہ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو تمہیں یہ پھر دیدے (۲۸) دیکھو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ اعراض کرتے ہیں ۶/۴۶

شرک کرنے والوں میں سے ایک گروہ وہ ہے جو مادہ کو قدیم مانتا ہے اُنکے نزدیک یہ بات محال ہے کہ کوئی چیز عدم سے وجود میں آجائے یعنی پہلے بالکل نہ ہو اور پھر پیدا ہو جائے

اس لیے وہ کہتے ہیں کہ یہ مادی کائنات بھی خدا کی طرح قدیم ہے صرف مادے میں تغیرات (مثلاً بیج سے درخت بنجانا) ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سب غلط فہمیاں اس بنا پر پیدا ہوئی ہیں کہ انسان خدا کو بھی اپنے جیسا سمجھ لیتا ہے اس کی صفات کو انسانی صفات کے مطابق خیال کرتا ہے۔ اس سے آگے نہیں بڑھتا جب اُسنے دیکھا کہ انسان میں یہ قدرت نہیں کہ کوئی چیز عدم سے وجود میں لے آئے۔ لہٰذا وہ یہ عقیدہ قایم کر بیٹھا کہ روح۔ مادہ اور خدا تینوں ازلی اور ابدی ہیں، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ اُنکے نزدیک مادے کے بغیر خدا ایسا ہی بیکار ہے جیسا مٹی کے بغیر کمہار، رنگوں کے بغیر مصور۔ اس باطل عقیدہ کی تردید بھی بیّن الفاظ میں کر دی جیسے فرمایا کہ خدا وہ ہے جو:۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ اَنّٰى يَكُونُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

آسمانوں اور زمین (اس تمام کائنات) کا موجد ہے (۲۹) بدیع ہے (ایسا ہے جوان کو عدم سے وجود میں لایا ہے) اور اُسکے اولاد کیسے ہوسکتی ہے (۳۰) حالانکہ اُس کی کوئی بیوی ہی نہیں ہے (۳۱) اور اُسنے ہر شئے کو پیدا کیا ہے، (۳۲) اور اس کو ہر شئے کا علم ہے (۳۳) یہ ہے تمہارا رَبّ اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں ہر شئی کا پیدا کرنے والا۔ پس اُسی کی عبودیت اختیار کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے (۳۴) اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی (ادراک نہیں کر سکتی) لیکن وہ سب نگاہوں کو محیط ہے (۳۵) اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے ۶/۱۰۲-۱۰۴

بدیع ہے چیزوں کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے۔ چونکہ انسان نے اُسے اپنے جیسا سمجھ رکھا تہا اس لیے اس عقیدہ کی بھی تردید فرما دی کہ اسکے اولاد ہوسکتی ہے جیسا یونکا عقیدہ

ابنیت (حضرت مسیح کا خدا کا بیٹا ہونا) اور ہندوؤں کا عقیدہ کہ فلاں دیوتا فلاں خدا کا بیٹا ہے۔ سب اس سے باطل ہو گئے اس کو کوئی نگاہ نہیں دیکھ سکتی۔ احاطہ نہیں کر سکتی۔ ادراک نہیں کر سکتی۔ چہ جائیکہ وہ مجسم انسان کی شکل میں۔ یا شیر اور کچھوے کے روپ میں دنیا میں آجائے۔ اوتار کے عقیدہ کا اس سے ابطال ہو گیا۔ الوہیت مسیح کا انکار ہو گیا +

وہ اِلٰہ جس کے متعلق فرمایا۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۔ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

۲۷
۶۴-۶۰

(ترجمہ)

آیا کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو اور تمہارے لئے بلندیوں سے

پانی برسایا اور پھر اس (پانی) کے ذریعے ہم نے رونق دار باغات اگائے تم سے تو ممکن نہ تھا کہ ان باغات کے درختوں کو اگا سکو (۳۰) تو کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور بھی) الٰہ ہے؟ مگر یہ لوگ پھر بھی راہِ راست سے پھر جاتے ہیں۔ وہ کون ہے جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اسکے درمیان نہریں بنائیں اور ان کے لیے پہاڑ کھڑے کیے۔ اور دو دریاؤں (یا سمندروں) کے درمیان حدِ فاصل ٹھہرائی۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے۔ (۳۸) وہ کون ہے جو قلبِ مضطر کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ جب وہ اُسے پکارتا ہے اور اسکی مصیبت کو دور کر دیتا ہے (۳۹) اور تم کو زمین میں بادشاہ (جانشین) بناتا ہے، (۴۰) کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہے؟ بہت تھوڑے ہیں جو (فطرت کی اس آواز کو) یاد رکھتے ہیں وہ کون ہے جو خشکی اور دریاؤں کے اندھیروں میں تمہاری راہ نمائی کرتا ہے، جو ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے۔ جو بارش سے پہلے (اس مژدہ جانفزا سے) دلوں کو خوش کر دیتی ہیں (۴۱) کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی الٰہ ہے؟ اللہ ان لوگوں کے شرک سے بلند ہے۔

وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے (مبدا) اور پھر اس کو دوبارہ زندہ کرے گا (معاد) (۴۲) اور وہ کون ہے جو تمہیں پستیوں اور بلندیوں سے رزق بہم پہنچاتا ہے (۴۳) کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہے؟ کہو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو $\frac{27}{60-64}$

یہ چیز کسی دوسری جگہ آئے گی کہ قرآن کریم نے جس قدر خدا کی صفات کا ذکر کیا ہے ان میں ایک طرف تو خدا کے متعلق صحیح صحیح تصور ذہن انسان میں قائم کرنا مقصود ہے اور دوسری

طرف دوسرے لوگوں کے کسی نہ کسی غلط عقیدہ کی تردید بھی مطلوب ہے اگر آپ کے سامنے مذاہب عالم کی تاریخ یا انکے مختلف عقائد کی تفصیل ہو تو آپ ہر ایک آیت میں خود دیکھتے جائیںگے کہ قرآن کریم کس طرح ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملے میں تمام ادیان عالم کے غلط تصورات کی اصلاح کرتا جاتا ہے یہ ہے فرق اس تعلیم میں جس میں ذہن انسانی کے تصرفات آچکے ہوں اور اس خدائی تعلیم میں جو اپنی اصلی شکل میں موجود ہو۔ کیا قرآن کریم کہیں شرک کا شائبہ بھی پاس پھٹکنے دیتا ہے؟ مختلف انداز سے. متنوع اسالیب بیان سے. متعدد دلائل سے. گوناگوں امثال ونظائر سے ایک خدائے واحد کا تصور ذہن میں مرتسم کرتا چلا جاتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

اللہ وہ ہے جنے تمہارے لیے رات کو بنایا کہ اس میں سکون حاصل کرو۔ اور دن دیکھنے کے لیے (۴۴) اللہ انسانوں پر فضل کرنیوالا ہے لیکن بہت سے لوگ شکر گذار نہیں ہیں۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب. (۴۵) ہر شئے کا خالق. اسکے سوا کوئی الٰہ نہیں پھر تم کدھر الٹے جا رہے ہو (بھٹکتے پھر رہے ہو) ۴۰/۶۲

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

وہ اللہ جنے تمہارے لیے زمین کو قرارگاہ اور آسمان کو رشتی چھت[1] بنایا (۴۶)

. . . . اور تمہاری صورت نہایت حسین بنائی۔ (۴۷) اور تمہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں (۴۸) یہ ہے اللہ تمہارا رب

---

[1] اسکی تفصیل "ارض و سماوات" میں دیکھیے۔

سو بڑا عالیشان ہے اللہ تمام جہانوں کا رب (۴۹) وہ زندہ و پائندہ ہے
اس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں سو تم خالص اعتقاد کے ساتھ صرف اسی کو پکارو
تمام تعریفیں اسی اللہ رب العالمین کے لیے ہیں (۵۰) ۶۵/۴۰

رب العالمین کسی خاص قبیلہ ۔ خاص قوم ۔ خاص ملک کا خدا نہیں ، تمام کائنات کا خدا ہر ایک کا الٰہ ، سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں ۔ جب تمام صفات اسی کی ذات میں ہیں تو تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں کوئی ان باتوں میں اس کا شریک نہیں ۔ ملبند و بالاتر ۔ ارفع و اعلیٰ الٰہ :۔ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۱۶/۲۲

ایک واحد الٰہ ۔

وہ تمام قوتوں کے سرچشمہ کا مالک ۔ سلسلۂ کائنات جس نظام کے ماتحت چل رہا ہے اس نظام کا قادر و مختار (CONTROLING AUTHORITY)

فَتَعٰلَى لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

پس بلند و برتر ہے وہ مالکِ حقیقی ۔ اُسکے سوا کوئی الٰہ نہیں عظمتوں والے عرش کا رب کریم ۔ ۲۶/۲۴

جب تمام قوتوں کا خالق اور مالک وہی ہے تو پھر حکومت بھی اسی کی ہو سکتی ہے ۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

اور اللہ وہ ہے جسکے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ۔ اور سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں اولیٰ اور اُخریٰ (دُنیا و آخرت) میں ۔ اور حکومت بھی اسی کی ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے (۵۲) ۷۰/۲۸